کتاب و سنت اور اسلافِ اُمت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:10 Issue:10 October 2017

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	ہمیں جیسوں سے مئے خانہ تیرا بدنام ہے ساقی	مولانا عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	کچھ آسان نیکیاں	مولانا سید نذیر احمد یونس قاسمی	۷
پیشِ گفتار	ہجرت ونصرت	مدیر	۹
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۱۲
تاریخِ اسلامی	ہجری سال کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟	مولانا سراج احمد قاسمی	۱۵
نسخۂ نبوی	جسم میں ایک قسم کا درد ہے جو جاتا ہی نہیں ہے	مولانا الیاس ندوی بھٹکلی	۲۱
اصلاحِ معاشرہ	لایعنی (فضول وبے فائدہ کلام یا کام)	حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ	۲۲
"	معاشرہ کی چند برائیاں اوران کی اصلاح	ڈاکٹر مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی	۲۴
دعوتِ فکروعمل	اسلامی صحافت کی اہمیت وضرورت	محترم جناب مجاہد صاحب	۳۰
"	برمی مسلمانوں کی تاریخ: مسائل اور کرنے کے کام!	محترم محمد آصف اقبال صاحب	۳۵
تعاقبِ فرقِ ضالہ	قرآن اللہ کا کلام ہے نہ کہ مخلوق	مولانا محمد کبیر الدین صاحب قاسمی	۳۸
وفیات	مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۴۱
"	ایک باکمال خادمِ قرآن اور بے مثال خطیب	مفتی عبدالباسط ارشد القاسمی	۴۵
فقہ وفتاویٰ	محرم کے منکرات	ادارہ	۴۸
خبر	عالمِ اسلام کی خبریں	ادارہ	۵۰

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ

درسِ قرآن

ہمیں جیسوں سے مئے خانہ تیرا بدنام ہے ساقی

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ (سورۃ یونس)

ترجمہ: اے میری قوم کے لوگو! میں تم میں اس سے پہلے ایک بڑی لمبی مدت گذار چکا ہوں، کیا تمہیں عقل نہیں آتی؟

تشریح: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل کا دور بڑی خون آشامیوں، پشتہا پشت کی عداوتوں، نہ تھم نے والے جنگ وجدال، سماجی ومعاشرتی پراگندگی، اخلاقی اقدار کی خودکشی کا دور تھا لیکن آپ کی بعثت کے بعد متحارب قبائل آپس میں اخوت کی نادر مثال بن گئے، جو قوم تہذیب وتمدن سے کوسوں دور تھی وہ نبی کی تہذیب کا پرتو بن گئی، جو انسانیت ذات پات میں بٹی تھی وہ ان امتیازات کو مٹا کر شیر شکر ہوگئی، چنانچہ چشم فلک نے ایسا مبارک منظر دیکھا کہ کالے گورے کا احساس ختم، آقا غلام کا فرق معدوم، عرب وعجم کی فصیل مسمار، کوئی آزاد مظلوم غلام کو خرید کر آزاد کرانے کی فکر میں، کوئی انصار مہاجر کو گلے لگانے بے تاب۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آخر وہ کونسی طاقت تھی جو ہزار مخالفتوں کے باوجود ترقی جن کا مقدر بن چکی تھی، خفیہ، علانیہ، سازشوں کی بے ہنگم آندھیاں چلنے کے باوجود بھی پایۂ استقامت میں کوئی تزلزل نہیں تھا، جاں کے دشمن جاں نثاری کے لئے تیار تھے، جو اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپئے تھے وہ خود اسلام کے بے باک داعی بن گئے تھے اس کا جواب خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دشمنوں کے روبرو دیا تھا، فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یہ جواب سننا تھا کہ زبانیں گنگ ہوگئیں، ناطقہ سربگریباں ہوگیا، کیونکہ اس ذات کی چالیس سالہ زندگی ایک کھلی کتاب ہے، اس کتاب

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

میں نہ فریب، نہ دھوکہ، نہ جھوٹ، بلکہ غریبوں کی مدد، حاجتمندوں کی حاجت براری، یتیموں بے واؤں کی دستگیری غرض یہ کہ ہر عیب سے خالی، ہر خطاء سے عاری، بے غبار زندگی، بے عیب دامن، آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ انگلی اٹھانے کے قابل نہیں، یہی وہ اخلاق تھے جس نے سب کو لاجواب کر دیا، یہاں تک کہ ابوسفیان کو بھی قیصر روم کے دربار میں حقائق کا اعتراف کرنا پڑا، عمر جیسے صیاد کو بھی اسیر ہونا پڑا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایسے عمدہ اوصاف سے دین دنیا کے شہنشاہ بنے کہ یہ شہنشائیت صرف اجسام پر نہیں بلکہ انسانیت کے قلوب پر تھی ان کے ارواح وانفاس پر تھی ایک طرف تو آپ کا یہ مقام بلند تھا، دوسری طرف آپ کے عجز وانکساری اور فنائیت اور بلند اخلاقی کا یہ عالم تھا آپ اپنے کفش برداروں کے درمیان ہوتے تو صحابہ کرامؓ نے اپنی نگاہوں سے یہ منظر دیکھا اور بیان کیا کہ حاکم ومحکوم کا حجاب بالکل اٹھ جاتا، آقا اور غلام کا امتیاز ختم ہو جاتا۔

فراز عرش میسر زمین پہ سرِ بسجود
وہ کس مقام پہ آئے ہیں کس مقام کے ساتھ

جس اخلاق کی وجہ سے آپ نے دلوں پر حکمرانی کی اور جس کو دیکھ کر لوگوں نے اسلام قبول کیا اور جو اخلاق اسلام کی سربلندی کا سبب بنے افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ اخلاق وہ اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے موجود ہے اور پھر تبلیغ کا، نشر واشاعت کا بار گراں ہمارے کاندھوں پر ہے، جو دین ہمارے نبی کے اخلاق سے پھیلا تھا وہ آج ہماری ہی بداخلاقیوں کے سبب کمزور پڑتا جا رہا ہے، صحابہ کرامؓ کو دیکھیں کہ وہ نبی کے اخلاق کا پَرتو بن کر جہاں بھر میں چھا گئے تھے اور دنیا پر حکمرانی کی تھی ہم اس اسوہ کو چھوڑ کر فاتح وحاکم ہونے کے بجائے مفتوح و مقہور ہو چکے ہیں، ہماری اپنی خودساختہ تہذیب سے غیر مسلم لوگ اسلام سے بیزار، دین سے متنفر ہو رہے ہیں، کبھی مسلمانوں کی تہذیب اسلام کے لئے تعارف کا کام کرتی تھی، اب ہماری تہذیب اسلام سے دوری کا ذریعہ بن رہی ہے، دین اسلام کو ہوس اور من کی اختراعات کے سبب جتنا ہم نے نقصان پہنچایا ہے کسی اور نے اتنا نہیں پہنچایا، ہم کو نبی کی تہذیب میں قدامت پسندی کی بو آتی ہے اور مغرب کی رنگینوں میں ارتقا کی بلندی نظر آتی ہے، حالانکہ سورج بھی ہر دن مغرب میں ڈوب کر یہ پیغام دیتا ہے کہ نادانو! میری ارتقاء، شباب کا گھمنڈ بھی مغرب میں جا کر غرق ہو جاتا ہے اور تم امید لگائے بیٹھے ہو۔

نہ حرمت مئے کی ہے دل میں نہ پینے کا سلیقہ ہے
ہمیں جیسوں سے مئے خانہ ترا بدنام ہے ساقی

درسِ حدیث

کچھ آسان نیکیاں

مولانا سید نذیر احمد یونس قاسمی*

عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِیَ اللهُ عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ کُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ وانَّ مِنَ المعرُوْفِ اَنْ تَلقیٰ اَخَاکَ بِوَجْهٍ طَلَقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِکَ فِی اِنَاءِ اَخِیْکَ

(رواہ احمد والترمذی، مشکوۃ:۱۶۸)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکی ہی میں سے یہ بات بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو اور اپنے ڈول سے پانی اپنے بھائی کے برتن میں ڈال دو۔

تشریح: لفظ معروف ہر نیکی کو شامل ہے کہ ہر نیکی، احسان اور بھلائی جو آدمی اپنے اوپر یا کسی دوسرے پر کرتا ہے اس کو معروف کہتے ہیں، نبی علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا ''ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں اور ہر شعبہ اور ہر عمل نیکی اور صدقہ ہے چاہے وہ اسلام لانا ہو یا مالی صدقہ دینا ہو یا کوئی اور نیکی، بھلائی والا عمل جو شریعت میں محبوب و پسندیدہ ہو وہ صدقہ ہے۔

یہ شریعتِ اسلامی کا امتیاز ہے کہ اس میں نیکی حاصل کر کے تقربِ خداوندی پانے کے لئے کوئی خاص لیاقت وصلاحیت اور کوئی خاص معیار اور حیثیت کو لازم نہیں کیا بلکہ ہر بندۂ مومن کے لئے خدائی اعلان ہے کہ ''لوگو نیکوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو''۔

بارگاہِ ایزدی میں صورتوں اور جسموں کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اعمال کو اور خلوصِ نیت کو دیکھا جاتا ہے، نبی علیہ السلام نے امت کو نیکیوں کو سمیٹنے اور حاصل کرنے کے بہت سے آسان آسان گُر اور طریقے بھی بتلائے ہیں جن کو ایک مومن تھوڑی سی توجہ اور استحضارِ نیت کے ساتھ کر لے تو اس کے لئے ذخیرۂ آخرت بن جائے گا۔ ان میں ایک عمل مذکورہ روایت میں بتلایا گیا ہے کہ اپنے کسی مومن بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا یہ بھی صدقہ ہے۔

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اداس صورت و کرخت شکل، بدمزاجی شریعت میں ناپسندیدہ ہے بلکہ وہ انداز جو ملاقات کرنے والے کا دل بُجھا دیتا ہو اور مخاطب کو مانوس کر دیتا ہو یہ شرعاً و فطرتاً پسندیدہ ہے اس لئے اس عمل کو صدقہ اور باعثِ خیر بتلایا جا رہا ہے، آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو مستقل معمول تھا کہ گھر میں داخل ہوتے تو مسکراتے ہوئے، بازار میں جاتے تو مسکراتے ہوئے، کسی سے ملتے تو بڑی خندہ پیشانی اور تواضع کے ساتھ ایسا کہ ہر ایک آپ کا گرویدہ ہو جاتا اور آپ کی مسکراہٹ پر قربان ہو جاتا اس کی طبیعت نبی علیہ السلام سے مانوس ہو جاتی وہ آپ سے مزید استفادہ کرنا چاہتا آپ کے ساتھ وقت گذارنا چاہتا یہ آپ کے اس خندہ پیشانی سے ملنے کے اثرات تھے۔

اپنے تو اپنے اغیار بھی اس اعلیٰ صفت کی وجہ سے اسیر دام ہوئے ہیں اور اسی رنگ میں صحابہؓ بھی ایسے رنگے تھے کہ حضرت ابو درداءؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگوں سے مسکرا کر ملتے حالاں کہ ہمارے دل ان پر لعنت کرتے تھے، یعنی وہ اسلام دشمن، کافر تھے لیکن نبی علیہ السلام نے ایسا مزاج بنایا تھا اور ایسے عمدہ اخلاق میں ڈھالا تھا کہ دشمن سے بھی وہ مسکرا کر ملتے تھے حالاں کہ دل میں ان کے کفر سے نفرت اور دوری موجود تھی لیکن ظاہری میل جول و رواداری کو برتنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔

ہمارے لئے اس حدیث میں بڑا درس عبرت ہے کہ ہم اپنی معاشرتی، سماجی زندگی کو اس اعلیٰ صفت سے متصف کریں، گھاٹا اور نقصان کچھ نہیں، نفع ہی نفع، بھلائی ہی بھلائی حاصل ہونے والی ہے، اور ایک بظاہر معمولی عمل سے بندہ نیکی اور ثواب حاصل کر لے گا محبتوں کی فضا عام ہوگی، بدگمانیوں اور عداوتوں کے طلسم ٹوٹیں گے۔

ایسا ہی ایک ہلکا پھلکا عمل جس کو بآسانی آدمی کر سکتا ہے اور نیکی کما سکتا ہے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب (نل سے یا بور سے) پانی لے رہے ہو اور اپنا برتن بھر رہے ہو تو ساتھ میں اپنے بھائی کی مدد کر دو اور اس کے برتن میں بھی پانی بھر دو یہ بھی صدقہ ہے، وہ زحمت سے بچے گا اس کی ضرورت پوری ہوگی اور تمہارا اس پر احسان بھی ہوگا اور یہ کوئی ایسا دشوار عمل بھی نہیں کہ کرنا مشکل ہو؛ بلکہ ہر شخص بآسانی اس کو کر سکتا ہے، بالخصوص خود غرضی اور نفس پرستی کے اس دور میں یہ آسان اعمال باہمی تعاون و تناصر کے جذبات کو پیدا کرنے میں بڑا کردار ادا کرنے والے ہیں، اس لئے بھی اس طرف توجہ ہو جائے تو بڑی مشقت اور دشواری کے بغیر آسانی سے یہ کام ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کچھ ایسی نیکیوں کا بھی ذخیرہ کر لینے کی ہمیں توفیق بخشے۔ آمین

پیش گفتار

ہجرت ونصرت

از: مدیر

اسلامی تقویم کی ابتداء سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ کے بعد دینِ اسلام کے ایک اہم ترین تاریخی واقعہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کے واقعہ کو بنیاد بنا کر کی گئی، اسی وجہ سے اسلامی سن سنِ ہجری کہلاتا ہے، اس واقعہ کو اس ماہِ ذی الحجہ کے اختتام پر ۱۴۳۸ چودہ سو اڑتیس سال مکمل ہو جاتے ہیں، مسلمانانِ مکہ کی ہجرت اور مسلمانانِ مدینہ کی نصرت دو ایسے مبارک عمل ہیں جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دونوں جہاں میں کامیاب و بامراد کر دیا۔

آدمی کا وطن خواہ کتنا ہی پسماندہ کیوں نہ ہو اسے محبوب ہوتا ہے اور غریب الوطنی خواہ کتنی ہی پُرتعیش کیوں نہ ہو وطن کی محبت ولذت سے بے نیاز نہیں کرتی، بالخصوص وطن اگر جذباتی وروحانی کشش بھی رکھتا ہو، وہاں روحانیت کا سرچشمہ اور تقدس مآب بیت اللہ بھی موجود ہو تو اس سے علاحدہ ہونا بلکہ زبردستی باشندگانِ وطن کی طرف سے علاحدہ کیا جانا کوئی معمولی مجاہدہ اور سرسری حادثہ نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نبی، نبیوں کے امام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم نے مشرکینِ مکہ کے ظلم وستم سے عاجز ہو کر باذنِ الٰہی مکہ مکرمہ کو خیر باد کہتے ہوئے مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کر لی۔ کعبۃ اللہ کے جوار سے یہ دوری امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مبارک پر کتنی گراں تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کیا کم ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہو رہے تھے تو —— بقول ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ —— آپ کے جذبات قلبیہ زبان مبارک کے اس طرح ظاہر ہو رہے تھے:

"اے مکہ! تو انتہائی پاکیزہ اور میرا محبوب ترین شہر ہے، اگر میری قوم مجھے یہاں سے نہ نکالتی تو میں (تجھے چھوڑ کر) کسی اور جگہ کبھی قیام نہ کرتا" (ترمذی: ۵/۶۷۹)

ایک دوسری روایت میں ہے:

''بخدا اے مکہ! اللہ کے نزدیک تو اس زمین کا سب سے بہترین بقعہ اور محبوب ترین حصہ ہے، اگر یہاں کے لوگ مجھے زبردستی نہ نکالتے تو میں کبھی یہاں سے نہ نکلتا'' (مسند احمد: ۴/ ۳۰۵)

صحابہ کرامؓ کے جذبات بھی مکہ مکرمہ کے بارے میں ان کے عشق رسول اور جذب ومحویت کی روشنی میں صاف ظاہر ہیں کہ یہی تھے۔ اسی لئے اللہ پاک نے ہجرت کے اس عمل کو عظیم عمل اور ایمان کے بعد سب سے قیمتی عبادت قرار دیا:

''جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اپنی جان ومال راہِ خدا میں قربان کئے اللہ کے ہاں ان کا بلند مقام ہے، اور یہی لوگ کامیاب ہیں'' (التوبہ: ۲۰)

یہ ''ہجرت'' کرنے والوں کا مجاہدہ وایثار اور اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ ومقام ہے، اس کا دوسرا پہلو ''نصرت'' بھی نہایت قابلِ عبرت ہے کہ جب آپ ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اللہ پاک کے حکم سے ترکِ وطن کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہونچے تو باشندگانِ مدینہ (اوس اور خزرج) نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کشادہ دلی، خندہ جبینی اور وسعتِ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے ان پردیسیوں کا بھرپور خیر مقدم کیا، اپنے گھر، زمین، جائدادیں، اموال واملاک ان پر نثار کر دیئے، سب جانتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنا مال محبوب ہوتا ہے، وَاَمْوَالُ ِۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا، اپنی جائدادیں مرغوب ہوتی ہیں وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ، اپنی تجارتوں سے دل جڑا ہوا ہوتا ہے وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا، اسی وجہ سے اس کا دوسروں پر صرف کرنا آدمی پر بارِ گراں ہوتا ہے چہ جائے کہ سب کا سب لٹا دینا اور قربان کر دینا، ظاہر ہے کہ یہ اہلِ مدینہ کا تاریخی اقدام اور قابلِ تعریف وتحسین کارنامہ تھا۔ اس بے مثال اخوت وبھائی چارگی اور حمیت وہمدردی نے اہلِ مکہ کو اپنے وطن، اعزہ واقرباء اور اموال واملاک سے محروم ہونے کے غم سے نجات دلا کر سکون وسرور نصیب کیا۔

خلاصہ یہ کہ جہاں مہاجرین کا عمل ہجرت راہِ خدا کی بے مثال قربانی تھی تو انصار کا عمل نصرت تاریخِ سخاوت میں ایک بے نظیر ایثار تھا، حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں عملوں کو جو خلوص وللّٰہیت کے اعلیٰ معیار پر تھے شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور قرآن کریم میں اس کی سند نازل کی:

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا (یعنی مہاجرین کرام) نیز وہ لوگ جنہوں نے (اپنی سرزمین پر) انہیں ٹھکانہ دیا اور ان کی نصرت کی (یعنی انصارِ مدینہ) یہی لوگ پکے مومن ہیں، ان کے لئے (اللہ تعالیٰ کے ہاں) مغفرت اور رزق کریم (کا وعدہ) ہے''۔ (الانفال: ۷۴)

تاریخ اسلام میں نبوت کے تیرھویں سال وجود میں آئے "ہجرت ونصرت" کے یہ دو عمل ہی وہ مبارک اعمال ہیں جنہوں نے دینِ اسلام کو ایک مضبوط قوت، متحد امت اور مثالی سماج کی شکل میں انسانیت کے سامنے پیش کیا، اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ظالموں سے قتال اور اسلامی نظامِ حیات کے احکام پئے بہ پئے نازل فرمائے، اور نبی کریم ﷺ نے ان احکامات کا عملی نفاذ فرمایا، یہاں تک کہ اسلام پورے جزیرۃ العرب میں غالب ہوکر "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" کی تفسیر بن گیا۔

اسلامی تقویم کے سلسلہ میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعۂ ہجرت کو معیار بنانا اور اس کی طرف منسوب کرنا ان کی دور اندیشی اور فراستِ ایمانی کا مظہر ہے، تاکہ ہر سال، سال کا ہر مہینہ، مہینہ کی ہر تاریخ مسلمانوں کے سامنے ان کے نبی اور اصحابِ نبی ﷺ کے ایثار وقربانی کی یاد تازہ کرتی رہے اور وہ اس کی روشنی میں یاد رکھ سکیں کہ کسی قوم کی ترقی وکامرانی کا خواہ کوئی وسیلہ ہو مسلمانوں کی کامیابی وترقی تو اسلام کے تئیں ایثار وقربانی اور ہجرت ونصرت کے بغیر ممکن نہیں۔

آیئے! ہم عہد کریں کہ اسلامی سال ۱۴۳۸ھ کے اختتام اور ۱۴۳۹ھ کے آغاز پر اپنے گذرے ہوئے سالوں کا جائزہ "ہجرت ونصرت" کے ان عظیم وقائع کے تناظر میں لیتے ہوئے انہی کی روشنی میں اگلے سال کا عملی منصوبہ تیار کریں گے، تاکہ ہمیں بھی اس فتح وغلبے سے کچھ بہرہ (حصہ) مل سکے جو پیارے نبی ﷺ کے پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملا تھا۔

اس عہد کے ساتھ یہ دعا بھی کریں کہ اللہ پاک نئے سال کا آغاز عالمِ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں غیبی نصرت، خیر وبرکت، اور یُمن وسلامتی کا مژدہ لے کر ہو اور مسلمان نئے عزائم اور مضبوط ارادوں کے ساتھ عبدیت وبندگی کا فریضہ ادا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ آمین

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت رقیہؓ ؛ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ہیں، ان کی والدہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ ہیں ؛ابن سعدؒ کہتے ہیں: عتبہ بن ابولہب سے نبوت سے پہلے ان کا نکاح ہوا، ایک قول یہ ہے کہ ہجرت سے قبل ان کا نکاح عتبہ بن ابولہب سے ہوا، جب قرآن کریم کی یہ آیتیں'' تبت یدا أبی لھب وتب'' نازل ہوئیں تو ابولہب نے کہا: میرا سر تمہارے سر کے لئے حرام ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی کو طلاق نہ دو، اس نے ازدواجی تعلقِ خاص سے قبل ہی طلاق دے دی ؛وہ اپنی والدۂ محترمہ اور بہنوں کے ساتھ اسلام لے آئیں، پھر ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا۔

حضرت رقیہؓ نے دو دفعہ اللہ کی راہ میں ہجرت کیا:

ابن سعد کہتے ہیں: انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو ہجرتیں کی، حضرت عثمانؓ سے ان کو عبداللہ پیدا ہوئے، انہیں سے منسوب ہوکر حضرت عثمانؓ کی کنیت ابوعبداللہ ہوئی، جب چھ سال کے ہوئے تو ایک مرغ نے ان کے چہرے پر چونچ ماری، جس سے ان کا چہرہ ورم زدہ ہوا، اسی میں انتقال ہوا۔

حضرت رقیہؓ کا وصال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ بدر میں:

حضرت رقیہؓ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی، واقعہ بدر سے پہلے بیمار ہوئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کے لئے یہیں چھوڑ دیا، (اسی اثنا میں) ان کا انتقال ہوگیا جب کہ مسلمان جنگ بدر میں مصروف تھے۔

حضرت ام کلثومؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

ان سے عُتیبہ بن ابی لہب نے نکاح کیا، پھر سورہ لہب کے نزول کے بعد اس نے بھی طلاق دے دی، یہ اسلام لے آئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ کا سفر کیا، جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوگیا تو حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ سے سن ۳ ھجری میں ان کا نکاح ہوا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی؛ ان کی وفات شعبان سن ۹ ھجری میں ہوئی۔

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا:

سن ۵ ہجری کے غزوہ مریسیع میں (اور لوگوں کے ساتھ) قید ہوکر آئیں، ان کا نام ''برہ'' تھا، نام بدل کر ''جویریہ'' رکھا گیا، یہ نہایت خوبصورت تھی، ان کے والد محترم نہایت معزز اور قبیلے کے سردار تھے۔

ابن سعدؒ وغیرہ کا بیان ہے کہ: بنوالمصطلق قبیلۂ خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے، قبولِ اسلام سے قبل ان کے شوہر ان کے چچازاد بھائی مسافع بن صفوان بن ابی شفر تھے، ان کے والد محترم حارث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لاکر مسلمان ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح:

حضرت جویریہؓ سے فرماتی ہیں کہجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے نکاح فرمایا تو میری عمر ۲۰ رسال تھی۔

اپنے قوم کے حق میں نہایت عظیم اور بابرکت عورت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرماتی ہیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنومصطلق کے قیدیوں کو تقسیم فرمایا تو جویریہؓ ایک شخص کے حصہ میں آئیں، تو انہوں نے اس شخص سے مکاتبت کا معاملہ کیا، یہ نہایت خوبصورت اور ملیح تھیں، جو کوئی بھی ان کو دیکھتا وہ اس کے دل کو بھاتیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد کی طالب کرنے آئیں، مگر اپنے حسن کی وجہ سے وہ مجھے نہ بھائیں، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جویریہؓ حارث کی بیٹی ہوں جو قوم کے سردار ہیں، مجھے جو تکلیف پہنچی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے، میں نے مکاتبت کرلی ہے، آپ میری مدد فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں تمہاری بدل کتابت ادا کرکے تم سے نکاح کرلوں انہوں نے کہا: جی! تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا، جب لوگوں کو اس کی خبر پہنچی، تو لوگوں نے کہا: یہ (بنوالمصطلق کے قیدی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں، اور اپنے یہاں موجود بنومصطلق کے قیدیوں کو آزاد کردیا، ان کی وجہ سے سوگھرانے آزاد ہوئے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اپنی قوم کے لئے اتنی بابرکت عورت میں نے نہیں دیکھی۔

روزہ دار خاتون:

حضرت جویریہ بنت حارث سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے یہاں جمعہ کے روز تشریف لائے،

یہ اس وقت روزے سے تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا؟ جواباً فرمایا: نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کل آئندہ روزہ رکھو گی؟ بتایا کہ نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: افطار کرلو۔

ہر دم ذکر میں مشغول رہنے والی خاتون:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت تشریف لائے، میں ذکر و تسبیح میں مصروف تھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کسی ضرورت سے تشریف لے گئے، پھر دوپہر میں تشریف لائے، فرمایا: ابھی تک تم ایسے ہی بیٹھی ہو؟ میں نے کہا: ہاں، فرمایا: کیا میں تم کو ایسے کلمات نہ بتاؤں جو تمہاری مکمل تسبیح کے ہم پلہ وہم وزن ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سبحان اللہ عدد خلقہ'' تین دفعہ، ''سبحان اللہ زنۃ عرشہ'' تین دفعہ، ''سبحان اللہ رضا نفسہ'' تین دفعہ، ''سبحان اللہ مداد کلماتہ'' تین دفعہ پڑھ لیا کرو۔

حضرت جویریہؓ کی وفات

ام المؤمنین حضرت جویریہ سن ۵۰ ہجری میں وفات پائیں۔

ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

ایک عظیم اصلاحی و دعوتی تحریک کا نام ہے۔ آپ بھی اس میں شریک ہوجائیے اور اپنے دوست واحباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

یہ ماہنامہ www.Idara.info پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

تاریخِ اسلامی

ہجری سال کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟

از: مولانا سراج احمد قاسمی*

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۃ التوبہ)

بیشک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی ''کتاب اللہ'' میں بارہ کی ہے، اُسی دن سے جب سے آسمانوں اور زمین کو اُس نے پیدا کیا، اِن میں سے چار حرمت وادب کے مہینے ہیں، یہی درست دین ہے، تم اِن مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔

اِس وقت پوری دنیا میں دو قسم کے کلینڈر یعنی سال اور مہینے بہت مشہور ہیں، میری اپنی معلومات کے مطابق یہ دونوں ماہ وسال شاید دنیا کے تمام ممالک اور تمام علاقوں میں جاری وساری ہیں، ایک شمسی ماہ وسال، جس کا حساب سورج سے لگایا جاتا ہے، اِس میں مہینے کے دنوں کی تعداد عموماً ۳۰ اور ۳۱ ہوتی ہے، ایک مہینہ فروری تین سال تک اس کے دنوں کی تعداد ۲۸ ہوتی ہے اور چوتھے سال ۲۹ ہوتی ہے، چنانچہ اہل علم نے ایک فارمولہ وضع کیا ہے کہ جو سنہ ۴ سے پورا پورا تقسیم ہو جائے جیسے ۲۰۱۶ء تو اِس سال فروری ماہ کے دنوں کی تعداد ۲۹ ہوگی اور جو سنہ ۴ سے پورا پورا تقسیم نہ ہو اُس سال فروری کے دن ۲۸ ہی ہوں گے، سورج کے حساب سے چلنے والا ایک سال ۳۶۵ دن اور ۶ گھنٹے کا ہوتا ہے، تین سال تک یہ ۶ گھنٹہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور ماہ فروری ۲۸ دن کا ہوتا ہے، پھر چوتھے سال میں پچھلے تین سالوں کے چھوڑے ہوئے چھ چھ گھنٹوں کو حساب میں لے کر ماہ فروری کو ۲۹ دن کا کیا جاتا ہے اور یہ سال ۳۶۶ دنوں کا ہوتا ہے۔ (رحمۃ للعالمین، جلد دوم)

دوسرا کلینڈر ''قمری کلینڈر'' ہے، اِس میں مہینہ کے دنوں کی تعداد ۲۹ یا ۳۰ ہوتی ہے، ۲۸ یا ۳۱ کبھی نہیں ہوگی، ایک قمری سال ۳۵۴ دنوں سے کم اور ۳۵۵ دنوں سے زیادہ کا نہیں ہوگا، شمسی وقمری دونوں طرح کے

*مدرس مدینۃ العلوم صدرنا گپور

کلینڈر میں مہینے ۱۲ رہی ہوتے ہیں، البتہ ہمارے ملک بھارت میں ایک کلینڈر جاری ہے جسے بکرمی کہا جاتا ہے، وہ قمری اور شمسی دونوں ہے، یعنی اس کا بھی اصل حساب تو چاند کے چھپنے اور ظاہر ہونے سے ہی لگایا جاتا ہے۔ لیکن ہر تیسرے سال لوند کا ایک مہینہ بڑھا کر سال ۱۳ / مہینے کا مان کر شمسی کلینڈر کے مطابق کرلیا جاتا ہے، اس لئے ہمارے برادران وطن کے مخصوص ومشہور تہوار ایک ہی موسم اور مخصوص دنوں ومہینوں میں ہی آتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ چاند کے چھپنے اور ظاہر ہونے سے چلنے والے سال کا حساب کسی موسم کا پابند نہیں ہوتا بلکہ اس کے دن اور مہینے برابر تمام موسموں میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں، اسی لئے حج اور قربانی کے دن اور رمضان کا مہینہ ہر موسم میں آتا ہے۔

جہاں تک تاریخ وسال معلوم کرنے اور معاملات ولین دین کے حساب وکتاب رکھنے کی بات ہے تو قرآن حکیم نے جیسے قمر یعنی چاند کو علامت قرار دیا ہے، اسی طرح سورج کو بھی اس کی علامت بتایا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ (سورہ یونس آیت نمبر: ۵) وہ اللہ ہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا، اور ان کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سال کی گنتی اور حساب معلوم کرسکو۔

اس لئے تاریخ، مہینہ وسال طے کرنے، نیز تجارتی اور دیگر معاملات وحساب کتاب میں چاند اور سورج دونوں سے ہی چلنے والے کلینڈروں کی تاریخوں کا استعمال کرنا جائز ہے۔

جہاں تک شرعی احکام اور عبادت کا تعلق ہے تو زیادہ تر شرعی احکام اور عبادات کو اللہ تعالی نے چاند کی رفتار سے بننے والے مہینے وسال سے متعلق کیا ہے، لیکن عبادات میں سب سے اہم عبادت نماز ہے اسے سورج کی رفتار سے جوڑا ہے، طلوع صبح صادق جو سورج کے طلوع ہونے کی پیشگی علامت ہے، اُس سے نماز فجر کا وقت شروع ہوکر سورج کے نکلنے تک رہتا ہے، پھر سورج کے ڈھلنے یعنی زوال کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے، پھر جب سایہ دار چیزوں کا سایہ ایک مثل یا دو مثل ہوتا ہے تو نماز ظہر کا وقت ختم ہوکر نماز عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، سورج ڈوبنے سے عصر کا وقت ختم اور مغرب کا وقت شروع ہوجائے گا، سورج ڈوبنے کے بعد آسمان پر جو سرخی رہتی ہے یعنی شفق احمر اُس کے ختم ہونے پر عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے، یہ فرض نمازوں کے اوقات ہوئے، نماز اشراق کا وقت سورج نکلنے کے ۱۵ منٹ کے بعد ہوتا ہے، صلوٰۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی نماز جب سورج کی روشنی خوب پھیل جائے تب پڑھی جائے گی۔ تین وقت ایسے بھی ہیں جن میں نماز پڑھنا منع ہے (۱) سورج نکلنے سے ۱۵ منٹ تک (۲) سورج جب بالکل سیدھا ہو (اِستواء شمس) ۱۵ منٹ تک (۳) سورج ڈوبنے میں جب ۱۵ منٹ باقی ہوں، ہاں اُسی دن کی عصر کی نماز اِس وقت میں پڑھ سکتے ہیں۔

نماز کی عبادت کے علاوہ تمام عبادات کے وقت اور دن چاند سے بننے والے ماہ وسال سے طے ہوں گے، چنانچہ حج، رمضان کے روزے، شب قدر، شب برأت، یوم عاشوراء، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ، قربانی کے دن، یوم عرفہ، ایام تشریق، زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے نصاب کے مال پر حولان حول (ایک سال کا گذرنا) مُتَوَفّیٰ عَنْهَا زَوْجُهَا (وہ عورت جس کے شوہر کی وفات ہوچکی ہو) کی عدت چار مہینہ دس دن، حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ، یہ سب احکام شرعیہ قمری یعنی چاند والے سال سے ہی متعلق ہیں، اسی لے قمری سال کی تاریخ اور مہینہ کی گنتی رکھنا اور اسکی حفاظت کرنا فرض کفایہ ہے، اگر ساری ہی امت اس کو بھلا دے اور یاد رکھنا چھوڑ دے تو سب گنہگار ہوں گے۔

سورہ توبہ کی درج بالا آیت ۳۶ سے معلوم ہوا کہ جب سے اللہ نے آسمان وزمین پیدا کئے ہیں یعنی اس کائنات کے ابتدائی دور سے ہی سال کے بارہ مہینے ہیں، مفسرین نے اس کی صراحت کی ہے کہ امت محمدیہ سے پہلے انبیاء سابقین کی شریعتوں میں بھی عبادات کی ادائیگی قمر یعنی چاند کے حساب سے ہوتی تھی، سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے بڑے متبرک اور ادب واحترام کے مہینے مانے جاتے رہے ہیں، تین مسلسل ہیں، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم۔ اور ایک جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ''رجب'' ہے، اِن چار ماہ میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، اگر اِن میں گناہ کیا جائے تو اُس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہے، بہرحال آسمان وزمین کی پیدائش کے دن سے ہی یہ نظام چل رہا ہے کہ مہینہ میں ایک بار چاند ہلال بن کر ظاہر ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ بڑا ہوتا جاتا ہے، یہانتک کہ بدر کامل یعنی چودھویں کا چاند ہوجاتا ہے، اس کے بعد پھر وہ سکڑنا وباریک ہونا شروع ہوجاتا ہے اور آخر میں ایک یا دو رات چھُپا رہ کر پھر آئندہ ماہ کے لئے ہلال بن کر طلوع ہوتا ہے، چاند کے لئے اللہ تعالیٰ نے ۲۸ منزلیں مقرر کر رکھی ہیں، ہر رات کو وہ ایک منزل پر پہنچتا ہے، جس میں کبھی غلطی نہیں ہوتی، ارشادِ باری ہے وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ (سورۂ یٰس) اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں، یہانتک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قمر کی رفتار کچھ اس طرح کی رکھی ہے کہ اس کے دن اور مہینے ایک سال میں دس دن پیچھے کی طرف ہٹتے رہتے ہیں، اِسی بنا پر قمری سال کا ہر مہینہ سال کے ہر موسم میں آتا رہتا ہے، جیسے کہ رمضان کا مہینہ گرمی، سردی، برسات تینوں موسموں میں آتا ہے۔

عرب کے لوگ حضرت ابرہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے تھے، اس لئے وہ ان کی نبوت ورسالت کا اقرار کرتے ہوئے ان کی شریعت کے ماننے کا دعویٰ کرتے تھے، لہذا وہ بھی اپنی عبادات قمری مہینوں کے حساب سے ادا کرتے تھے، مگر جب ایک عرصہ گذرنے کے بعد اُن پر دین سے دوری غالب آئی اور عبادتیں رسم ورواج

بن گئیں، حج عبادت و بندگی سے زیادہ سالانہ ایک میلہ بن گیا، تجارت میں خوب نفع کمانا، شعروشاعری اور نسب پر فخر کرنا ہی حج کا مقصد اصلی ہوگیا، تو حج کا تمام موسموں میں گھوم پھر کر آنا عربوں کو نقصان دہ معلوم ہونے لگا، کیونکہ میلہ اُسی زمانہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے جب لوگ ہر طرح کے کام اور مشغولیت سے فارغ ہوں، اُن کی جیبوں میں پیسے بھی ہوں، تاجروں کے پاس مالِ تجارت کا اچھا خاصا ذخیرہ ہو، موسم بھی نہ زیادہ سرد ہو اور نہ گرم بلکہ معتدل اور خوشگوار ہو، تاکہ دور دور سے سفر کی تکلیف برداشت کر کے لوگ میلہ میں شریک ہوسکیں، اسکے لئے ملک عرب کے لوگوں نے ملت ابراہیمی میں ردوبدل کئے، حساب تو قمری ہی باقی رکھا لیکن حج کو تمام موسموں میں گھوم پھر کر آنے سے روکنے کے لئے یہودیوں سے سیکھ کر کَبِیْسَہ لوند (ہر تیسرے سال ایک ماہ بڑھا کر ۱۳ ماہ کا سال ماننے) کا سسٹم جاری کئے، اور قمری سال کو شمسی سال کے مطابق کرنے لگے، تاکہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا رہے۔ (تفسیر کبیر)

دوسری گڑبڑی انہوں نے قمری سال میں یہ کی کہ مسلسل تین ماہ ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، محترم ہونے کی وجہ سے اِن میں قتل وقتال، لڑنا اور شکار کرنا منع تھا، مگر عربوں میں جہالت و درندگی غالب آچکی تھی، لڑنا بھڑنا، لوٹ کھسوٹ کرنا ان کی عادت بن گئی تھی، قبائلی زندگی کی وجہ سے ہر وقت کوئی نہ کوئی قبیلہ کسی نہ کسی قبیلہ سے لڑتا رہتا اور اس کے بہانے تلاش کرتا رہتا، چنانچہ جب کسی قبیلہ کو کسی قبیلہ سے لڑنے کا مناسب موقع ماہ محرم میں مل جاتا تو اُن کا سردار اعلان کرتا کہ اِس سال ''ماہ محرم'' محترم مہینہ نہیں بلکہ اِس کی جگہ صفر محترم ہوگا، مزید ضرورت پڑتی تو کہدیتا کہ صفر بھی نہیں بلکہ ربیع الاول محترم مہینہ ہوگا اور لڑائی جاری رکھتے، کبھی کہتے کہ اِس سال صفر کا مہینہ پہلے آگیا ہے، محرم کا مہینہ بعد میں آئے گا، یا لڑتے لڑتے دس ماہ گذر گئے اور اب سال کے صرف دو مہینے ہی باقی ہیں تو سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا کر سال چودہ ماہ کا مان لیتے، دس ماہ تو لڑتے رہے باقی چار ماہ محترم قرار دے لئے، اِس حیلہ بازی سے محترم مہینوں کی تعداد پوری کر کے شریعت کی پابندی کی ظاہری شکل نکال لیتے تھے، مگر حقیقت میں اصل محترم مہینے اپنی جگہ سے ہٹ کر کہیں کے کہیں چلے جاتے، یہ بری رسم سب سے پہلے جس نے جاری کی وہ ''قلمس کنانی'' تھا پھر اس کی اولاد میں یہ سلسلہ جاری رہا، اُسی کی نسل سے ابوثمامہ جنادہ بن عوف ہر سال موسم حج میں اعلان کرتا کہ اِس سال محرم کا مہینہ اَشْھُرِ حُرُم (محترم مہینوں) میں داخل ہے یا نہیں اِسی طرح محرم وصفر میں سے کوئی ایک مہینہ کبھی حلال کیا جاتا اور کبھی حرام۔ لوگ اُس کے اعلان کو مان بھی لیتے۔ قرآن مجید میں کفار ومشرکین کے اِس عمل کو نَسِیْءٌ کہا گیا ہے، جو حرام ہے اور مزید کفر کی طرف لے جانے والا ہے

یہ سلسلہ ۸ھ میں فتح مکہ تک جاری رہا کیونکہ خانہ کعبہ کا انتظام مشرکین مکہ کے ہاتھ میں تھا، البتہ فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے اور مشرکین عرب سے

برأت کا اعلان کرنے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ کئے، اُس سال جن دنوں میں حج ہو رہا تھا وہ حقیقت میں عربوں کی گڑبڑی کی وجہ سے ذی الحجہ کا نہیں بلکہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا، جبکہ حج کا مہینہ ذی الحجہ ہے، پھر جب ۱۰ھ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو اُس سال حج قدرتی نظام کے تحت اپنے اصلی دنوں یعنی ذی الحجہ کے ماہ میں ہو رہا تھا، کیونکہ ۳۴/سال میں دن اور مہینے گردش کرتے ہوئے واپس اپنی جگہ پر آجاتے ہیں، عرب اپنی ہیرا پھیری کی وجہ سے ۳۳ سال حج اُس کی اصل تاریخوں میں نہ کرتے ہوئے دوسری تاریخوں میں ادا کرتے تھے، البتہ ۳۴ ویں سال اپنے اصلی وقت یعنی ۹/۱۰ ذی الحجہ کو ادا کرتے، اِسی لحاظ سے ۱۰ھ میں حج کا وقت گھومتا پھرتا اپنی اصلی تاریخوں میں آپہنچا تھا، اِسی سال آپؐ نے حج ادا کیا اور منیٰ کے خطبہ میں اعلان فرمایا: اَلا اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سنو! وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اپنے اُس وقت پر آپہنچا ہے جو آسمان وزمین کی پیدائش کے دن اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اعلان سے لوند کا اور مہینوں کے الٹ پھیر کرنے کا سسٹم تو ختم ہو گیا اور عبادتیں ٹھیک وقت پر ادا ہونے لگیں، تاریخ اور مہینہ کا سلسلہ بھی درست ہو گیا کہ سال کے مہینے صرف بارہ ہی ہونگے، ہر مہینہ اپنی اپنی جگہ پر رہے گا، کسی کو کسی سے نہ بدلہ جائے گا اور نہ ہی آگے پیچھے کیا جائے گا، چاند دیکھ کر مہینہ شروع ہوگا اور اگلا چاند ۲۹ کا دیکھ کر یا ۳۰ کی گنتی پوری کر کے جاری مہینہ ختم اور دوسرا شروع۔ مگر تاریخ اور مہینہ کے ساتھ ابھی تک کوئی سن طے نہیں ہوا تھا، زمانہ جاہلیت میں کسی مشہور واقعہ سے سن جوڑ لیتے تھے جیسے عام الفیل وغیرہ، اسی لئے ہجرت سے پہلے کے واقعات میں سن کی تعیین کے لئے سیرت نگار اور مورخین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو بنیاد بناتے ہیں مثلاً پہلی مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کا واقعہ ۵ نبوی میں ہوا اور دوسری مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت ۷ نبوی میں ہوئی۔

موجودہ سنہ ہجری کی شروعات یوں ہوئی کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے چوتھے سال میں ایک دستاویزی کاغذ پیش ہوا، جس پر صرف شعبان کا مہینہ لکھا ہوا تھا، حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر کہا کہ یہ کیسے معلوم ہو گذشتہ سال کا شعبان مہینہ مراد ہے یا جاری سال کا شعبان مہینہ مراد ہے؟ اُسی وقت مجلس شوریٰ منعقد ہوئی بڑے بڑے صحابہؓ جمع ہوئے، اکثر نے رائے دی کہ فارسیوں کا طریقہ اپنایا جائے، ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا، اسلام لا کر مدینہ میں ہی ٹھہرا ہوا تھا، اُسے بلایا گیا، اُس نے کہا ہمارے یہاں تاریخ اور مہینہ لکھا جاتا ہے، اِس کے بعد بحث وہی باقی رہی کہ سنہ کی ابتداء کب سے مانی جائے؟ حضرت علیؓ نے رائے دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے واقعہ کو اِس کے لئے بنیاد بنایا جائے، اِسی پر سب کا اتفاق ہوا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۶/۲۷ صفر مطابق ۹/۱۰ ستمبر ۶۲۲ء جمعرات اور جمعہ کی بیچ کی رات میں ہجرت کے

ارادہ سے گھر سے روانہ ہوئے، تین دن غارثور میں چھپے رہے، پھر یکم ربیع الاول مطابق ۱۳ ستمبر کو غارثور سے نکل کر ۸ ربیع الاول پیر کے دن ''قبا'' پہنچے، چند دن یہاں قیام کئے، قبا سے ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۴ ستمبر بروز جمعہ مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، قبیلہ بنو سالم پہنچے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت ہو گیا، جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائے، اس کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے، اس اعتبار سے سال میں دو مہینے بارہ دن گذر چکے تھے، لہذا سنہ ھجری کا آغاز ربیع الاول سے ہونا چاہئے تھا، لیکن چونکہ قدیم زمانہ سے سال محرم سے ہی شروع ہوتا تھا، اس لئے دو مہینہ بارہ دن پیچھے ہٹ کر ماہ محرم سے ہجری سال کا شروع کیا جانا طے پایا، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ ''رحمۃ للعالمین'' میں لکھتے ہیں کہ: حضرت علیؓ کے مشورہ سے سنہ کا شمار واقعہ ہجرت نبویہ سے کیا گیا اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے مشورہ سے محرم کو پہلا مہینہ مقرر کیا گیا، سب صحابہؓ نے اس پر اتفاق کیا کہ قدیم زمانہ کے مطابق سال کی ابتداء محرم سے ہی مانی جائے اور ذی الحجہ سال کا آخری مہینہ ہوگا۔

(الفاروق علامہ شبلیؒ، رحمۃ للعالمین جلد دوم)

(بقیہ صفحہ ۳۴ سے)

''قلمی تیر کمان'' تھام لیں کہ اسی کے ذریعے اخبارات، جرائد اور رسائل میں چھپنے والے باطل پرور مضامین و کالمز کی اثر پذیری کو کاٹا جا سکتا ہے۔ آئیں اور اس کام کو اخلاقی فرض باور کر کے 'زبانی تلوار' نیام سے نکالیں کہ اسی کے ذریعے گمراہ کُن ٹی وی اینکر پرسنز کے سحرِ بیانی کی کاٹ کی جا سکتی ہے اور اسلامی معاشرہ تباہ کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا جا سکتا ہے۔ اُٹھو کہ یہ وقت کی پکار ہے۔ یہ میدان آپ کو پکارتا ہے۔ یہ بیداری کا لمحہ ہے۔ یہ جاگنے اور جگانے کی ساعتیں ہیں۔ یہ دنیا کی امامت کرنے کے لمحات ہیں۔ کفر ہماری اسی بیداری سے لرزہ براندام رہتا ہے۔ کیوں کہ:

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی، احتسابِ کائنات

نسخۂ نبوی

از: مولانا الیاس ندوی بھٹکلی*

جسم میں ایک قسم کا درد ہے جو جاتا ہی نہیں ہے

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے جانثاروں کی محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ صرف دینی معاملات میں آپ سے رجوع نہیں کرتے بلکہ خانگی اور ذاتی معاملات میں بھی آپ سے مشورہ کرتے اور جسمانی علاج معالجہ کے سلسلہ میں بھی آپ کی رائے طلب کرتے۔

دربار نبوت میں آج عثمان بن العاص الثقفی حاضر خدمت ہوئے، اپنی جسمانی بیماری وتکلیف کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا:۔

سرکار! جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے جسم میں ایک قسم کا درد ہے جو مسلسل لگا رہتا ہے، جاتا ہی نہیں ہے۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:۔

تم درد کی جگہ پر ہاتھ رکھو اور تین دفعہ بسم اللہ پڑھ کر یہ دعا سات مرتبہ پڑھو:۔

اَعُوذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ

میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ سے اور اس کی قدرت سے اس چیز کے شر سے جس کو میں پاتا ہوں اور جس سے میں ڈرتا ہوں۔ (صحیح مسلم ۵۷۳۷ (۲۲۰۲))

عثمان بن العاص فرماتے ہیں: جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسب حکم اس پر عمل کیا اور درد کی جگہ ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف دہ درد کو مجھ سے ختم کر دیا۔ (صحیح مسلم: ۵۷۳۸ (۲۲۰۳))

اس کے بعد سے اب میرا معمول ہے کہ میں اپنے گھر والوں کو اور دوسروں کو بھی اس عمل کی برابر تاکید کرتا رہتا ہوں۔ (طبرانی المعجم الکبیر ۹/ ۳۷، ۸۴۴۷)

(ماخوذ از: مجالس نبوی: ۲۰۲)

* استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

اصلاحِ معاشرہ

لایعنی (فضول و بے فائدہ کلام یا کام)

انسان صغائر و کبائر (چھوٹے بڑے گناہوں) میں مبتلا ہو کر اپنی عاقبت خراب کر لیتا ہے اور ہر معصیت اُسے حق تعالیٰ دور ہی کرتی رہتی ہے، اور المیہ یہ ہے کہ ہم بجز چند بڑے بڑے گناہوں کے بہت سے صغائر و کبائر سے واقف ہی نہیں، یا واقف تو ہیں مگر اس کی شناعت و قباحت ذہن میں نہیں رہتی، جس کی وجہ سے غفلت و لاپراہی کا شکار ہو کر خسرانِ عظیم اُٹھاتے ہیں، ذیل میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''گناہِ بے لذت'' سے ایک ایک معصیت درج کی جارہی ہے تاکہ ہم سب گناہوں کو جانیں اور اس سے محفوظ رہنے کی سعی کریں اور حق تعالیٰ کو راضی کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ از: مرتب غفرلہٗ

انسان جتنے کام یا کلام کرتا ہے بظاہر اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) مفید، جس میں دین یا دنیا کا کوئی فائدہ ہو۔

(۲) مضر، جس میں دین یا دنیا کا کوئی نقصان ہو۔

(۳) نہ مفید نہ مضر، جس میں (دین یا دنیا کا) کوئی فائدہ ہو نہ نقصان۔

اسی تیسری قسم کو حدیث میں لایعنی کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، لیکن جب ذرا غور سے کام لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تیسری قسم بھی درحقیقت دوسری قسم یعنی مضر میں داخل ہے کیونکہ وہ وقت جو ایسے کام یا کلام میں صرف کیا گیا اگر اس میں ایک دفعہ سبحان اللہ کہہ لیتا تو میزان عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے۔ کوئی اور مفید کام کرتا تو گناہوں کا کفارہ اور نجات آخرت کا ذریعہ یا کم از کم دنیا کی ضرورتوں سے بے فکری کا سبب بنتا ہے۔ اس وقتِ عزیز کو بے فائدہ کام یا کلام میں خرچ ایسا ہے جیسے کسی کو اختیار دیا جائے کہ چاہے ایک خزانہ جواہرات اور سونے چاندی کا لے لے یا ایک مٹی کا ڈھیلا، وہ خزانہ کے بجائے مٹی کا ڈھیلا اُٹھانے کو اختیار کرے، جس کا خسارہ عظیم اور نقصان ہونا ظاہر ہے، اسی لئے بعض روایات حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور ساری مجلس میں

اللہ کا کوئی ذکر نہ کرے قیامت کے روز یہ مجلس اس کے لئے حسرت وندامت ہوگی۔

وہ علم جہل ہے جو دکھائے نہ راہ دوست
مجلس وہ ہے وبال جہاں یاد حق نہ ہو

ہر دم از عمر گرامی ہست گنج بے بدل
می رود گنجے چنیں ہر لحظہ بیکار آہ ، آہ!

(یعنی عمرِ عزیز کی ایک سانس بھی بے مثال خزانہ ہے، لیکن آہ! جب کوئی لحظہ بے کار گذر جاتا ہے تو ایک خزانہ لُٹ جاتا ہے) اسی لئے لایعنی کام اور کلام، اور بے فائدہ مجلسِ احباب کو اہل بصیرت نے گناہوں کی فہرست میں داخل کیا ہے اور بعض روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انسان کا اسلام درست وصحیح ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے"

(رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابی ہریرہؓ)

اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کعبؓ بن عجرہ چند روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت حاضر نہ ہو سکے تو آپ نے لوگوں سے ان کا حال پوچھا، بتلایا گیا کہ وہ بیمار ہیں آپ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، حالت نازک دیکھی، فرمایا "اے کعبؓ تمہارے لئے مژدہ (خوشخبری) ہے ان کی والدہ بول اٹھیں، اے کعبؓ! تمہیں جنت مبارک ہو، یہ کلمہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: خدا کے معاملہ میں قسم کھا کر دخل دینے والی یہ کون ہے؟ کعبؓ نے عرض کیا کہ میری والدہ ہیں، آپ نے فرمایا تمہیں کیا خبر کہ شاید کعبؓ نے کبھی لایعنی کلام کیا ہو یا زائد از حاجت مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے میں کوتاہی کی ہو، ایسی حالت میں کسی کو کیا حق ہے کہ جنت کا حکم دے۔

مطلب بظاہر یہ ہے کہ لایعنی کلام کا حساب ہوگا اور جس چیز پر حساب اور مواخذہ ہو اس سے خلاصی یقینی نہیں۔ (احیاء)

اللہ تعالیٰ لایعنی کام اور کلام دونوں سے ہمیں محفوظ ومامون فرمائے۔ آمین

اصلاحِ معاشرہ

معاشرہ کی چند برائیاں اوران کی اصلاح

ڈاکٹرمحمد نجیب قاسمی سنبھلی*

ہمارے معاشرہ کی مختلف برائیوں میں سے چند برائیاں کافی عام ہوگئی ہیں،ہمیں مشترکہ طور پراُن کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے:

بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا فقدان: قرآن وحدیث میں علم کی اہمیت پر بار بار تاکید فرمائی گئی ہے،حتی کہ پہلی وحی کا پہلا لفظ ''اقرأ'' بھی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے۔مگرعصر حاضر میں ہم نے اِن تمام آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا تعلق عملی طور پر دنیاوی تعلیم سے جوڑ دیا ہے حالانکہ قرآن وحدیث میں جہاں جہاں بھی علم کا ذکر آیا ہے،وہاں وضاحت موجود ہے کہ اُسی علم سے دونوں جہاں میں بلند واعلیٰ مقام ملے گا جس کے ذریعہ اللہ کا خوف پیدا ہو، جو تقدیر پر ایمان کی تعلیم دیتا ہواور جس کے ذریعہ انسان اپنے حقیقی خالق ومالک ورازق کو پہچانے ،اورظاہر ہے کہ یہ کیفیت قرآن وحدیث اور اِن دونوں علوم سے ماخوذ علم سے ہی پیدا ہوتی ہے۔اِن دنوں ہم عصری تعلیم کواس قدر اہمیت دے رہے ہیں کہ بچوں اور بچیوں کو بالغ ہونے کے باوجود اس لئے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کروایا جاتا،روزہ نہیں رکھوایا جاتا اور قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرائی جاتی کیونکہ ان کو اسکول جانا ہے،ہوم ورک کرنا ہے،پروجیکٹ تیار کرنا ہے،امتحان کی تیاری کرنی ہے وغیرہ وغیرہ،یعنی دنیاوی تعلیم کے لئے ہرطرح کی جان ومال اوروقت کی قربانی دینا آسان ہے،لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم پرعمل کرنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ جوطلبہ عصری درس گاہوں سے پڑھ کرنکل رہے ہیں اُن میں سے ایک بڑی تعداد دین کے ضروری مسائل سے ناواقف ہوتی ہے۔یقیناہم اپنے بچوں کوڈاکٹر،انجینئر اور پروفیسر بنائیں لیکن سب سے قبل ان کومسلمان بنائیں۔لہٰذا اسلام کے بنیادی ارکان کی ضروری معلومات کے ساتھ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اوراسلامی تاریخ سے ان کوضرور بالضرور روشناس کرائیں۔اگرہمارا بچہ ڈاکٹر یا انجینئر یا لیکچرار بنا لیکن شریعت اسلامیہ کے بنیادی احکام سے ناواقف ہے تو کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیں جواب دینا ہوگا۔

*حال مقیم:ریاض،سعودی عرب

ٹی وی اور انٹرنیٹ کا غلط استعمال: معاشرہ کی بے شمار برائیاں ٹی وی اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال سے پھیل رہی ہیں، لہذا فحش وعریانیت و بے حیائی کے پروگرام دیکھنے سے اپنے آپ کو بھی دور رکھیں، اور اپنی اولاد وگھر والوں کی خاص نگرانی رکھیں تاکہ یہ جدید وسائل ہمارے ماتحتوں کی آخرت میں ناکامی کا سبب نہ بنیں کیونکہ ہم سے ہمارے ماتحتوں کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ (سورۃ التحریم:۶)

کرکٹ دیکھنے میں وقت ضائع کرنا: بعض حضرات کرکٹ میچ دیکھنے، اس سے متعلق دیگر معلومات حاصل کرنے اور آئندہ کے میچوں میں جیت ہار کے اندازے، نیز اس کے متعلق بحث ومباحثہ میں اپنی زندگی کا قیمتی وقت لگاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سارے امور حرام ہیں اور ہمیں اپنی پسند کی ٹیم کو داد وتحسین سے نوازنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن ہمیں غور وفکر کرنا چاہئے کہ ان امور میں وقت صرف کرنا اب تک ہماری زندگی میں کتنا نفع بخش ثابت ہوا۔ لہٰذا عقلمندی اسی میں ہے کہ کرکٹ کھیلنے یا میچ دیکھنے میں ہماری مشغولیت اللہ کے احکام مثلاً نماز کی ادائیگی سے مانع نہ بنے۔ قیامت کے دن کسی انسان کا قدم اللہ تعالیٰ کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتا یہاں تک کہ وہ پانچ سوالات کا جواب دیدے: زندگی کہاں گزاری؟ جوانی کہاں لگائی؟ مال کہاں سے کمایا؟ یعنی حصول مال کے اسباب حلال تھے یا حرام۔ مال کہاں خرچ کیا؟ یعنی مال سے متعلق اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کئے یا نہیں۔ علم پر کتنا عمل کیا؟ (ترمذی)

بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی: جن کبیرہ گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی، ان میں کوتاہی کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا، ان شاء اللہ؛ لیکن اگر گناہوں کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے مثلاً کسی شخص کا سامان چرایا یا کسی شخص کو تکلیف دی یا کسی کو گالی دی یا کسی شخص کا حق مارا تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی معافی کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ جس بندے کا حق ہے، اس کا حق ادا کیا جائے یا اس سے حق معاف کروایا جائے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ واستغفار کے لئے رجوع کیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی پیسہ اور دنیا کا سامان نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکوٰۃ (اور دوسری مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا مگر حال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا یا کسی کو مارا پیٹا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو (اس کے

حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، ایسے ہی دوسرے حق والے کو اس کی نیکیوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی۔ پھر اگر دوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو (ان حقوق کے بقدر) حقداروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کئے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دئے جائیں گے اور پھر اس شخص کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم)

غیبت کیا ہے؟: سب سے پہلے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں سمجھیں کہ غیبت کیا چیز ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام نے جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی اس چیز کا ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔ کہا گیا اگر وہ چیزیں اس میں موجود ہوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ چیز اس کے اندر ہو تو تم نے غیبت کی اور اگر نہ ہو تو وہ بہتان ہوگا۔ (مسلم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ غیبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے سامنے کسی کی برائیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا جائے جسے وہ برا سمجھے اور اگر اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے اندر موجود ہی نہیں ہیں تو وہ بہتان ہے لیکن بدقسمتی سے یہ دونوں ہی برائیاں عام ہیں، اللہ ان دونوں برائیوں سے امت مسلمہ کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔ کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا یعنی غیبت کرنا ایسا ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔ بھلا کون ایسا ہوگا جو اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اس سے نفرت دلائی ہے، ارشاد باری ہے: تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی۔ (سورۃ الحجرات ۱۲)

جھوٹ کا شیوع: معاشرہ کی ایک مہلک بیماری جھوٹ بولنا ہے، جو بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے، ان کے لئے جہنم تیار کی ہے جو بدترین ٹھکانا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب آیت ۷۰، ۷۱ میں ایمان والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔ جھوٹ بولنے والوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت وعید ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سچائی کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، اور آدمی یکساں طور پر سچ کہتا ہے اور سچائی کی کوشش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کی نظر میں اس کا نام سچوں میں لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچے رہو اس لئے کہ جھوٹ گناہ اور فجور ہے اور فجور دوزخ کی راہ بتاتا ہے، اور آدمی مسلسل جھوٹ بولتا ہے اور اسی کی جستجو میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا شمار جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

بے پردگی: پاکیزہ معاشرہ اور صاف ستھری سوسائٹی کے لئے عورتوں کو گھروں میں رکھ کر گھریلو ذمہ داریاں ان کو دی گئیں اور مردوں کو باہر کی ذمہ داریوں کا پابند کر کے مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط سے حتی الامکان روکا گیا تا کہ ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آسکے اور مسلم معاشرے کی یہ خصوصیت اب تک باقی تھی اور تقریباً پچیس سال سے مغربی تہذیب سے ہمارا معاشرہ بری طرح متاثر ہوا ہے اور افسوس وفکر کی بات ہے کہ اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے بعض مسلم دانشور اس کوشش میں ہیں کہ بے پردگی کو جواز کا درجہ دیدیا جائے۔ اسی پس منظر میں قرآن وحدیث کی روشنی میں چند باتیں پیش خدمت ہیں: ۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مردوں اور عورتوں کو مشترکہ حکم: یَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ اور یَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ (سورۃ النور ۳۰۔۳۱) کے الفاظ میں دیا ہے، قرآن کریم میں بہت سے مقامات اور احادیث میں بکثرت یہ حکم وارد ہوا ہے، یہ سب کو معلوم ہے کہ شرمگاہ کی حفاظت پردہ سے ہی ہوتی ہے۔ اور عصمت دری کی ابتداء بے پردگی سے ہو کر زنا کی حد تک جا پہنچتی ہے۔ چنانچہ مشہور حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے آنکھ بھی زنا کرتی ہے اور آنکھ کا زنا بدنگاہی ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے۔ (صحیح بخاری) ۲) اسی طرح فرمان الٰہی ہے: وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ (سورۃ النور:۳۱) عورتوں کو زمین پر پیر پٹخ کر چلنے کی ممانعت اس لئے ہے کہ کہیں پازیب کی جھنکار وزینت سے کوئی گرویدہ نہ ہو جائے۔ اگر پازیب کی آواز کو پردہ میں رکھا گیا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک عورت کو زیب وزینت کے ساتھ بے پردہ گھومنے کی اجازت دی جائے۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی عورت کو پیغام نکاح دینے کا ارادہ ہو تو اس کو دیکھ لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (مسند احمد) اس حدیث میں صرف پیغام نکاح دینے والے کو غیر محرم عورت کو دیکھنے میں گناہ سے مستثنیٰ کرنے کا مطلب واضح ہے کہ غیروں کو دیکھنے اور دکھانے میں گناہ ہوگا۔ نیز حالت احرام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کہ جب مردوں کا گزر ہوتا تھا تو ہم عورتیں اپنے چہروں کو ڈھانک لیتی تھیں۔ حالانکہ حالت احرام میں چہرہ کا کھولنا واجب ہے۔ لیکن ایک عمومی واجب پر عمل کرنے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی احرام کے واجب کو ترک کر دیتی تھیں، ورنہ اگر چہرہ کا پردہ عام حالت میں صرف مستحب ہوتا تو استحباب کے لئے صحابیات اور خاص طور سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ترک واجب نہ کرتیں۔ (ابوداود)

مہر کی ادائیگی نہ کرنا: مہر عورت کا حق ہے، اس کو نکاح کے وقت متعین اور صحبت سے قبل ادا کرنا چاہئے۔ مہر میں حسب استطاعت درمیانہ روی اختیار کرنی چاہئے نہ بہت کم اور نہ بہت زیادہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع

کی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں تقریباً ۷ جگہوں پر مہر کا ذکر فرمایا ہے، لہذا ہمیں مہر ضرور ادا کرنا چاہئے۔ اگر ہم بڑی رقم مہر میں ادا نہیں کر سکتے اور لڑکی کے گھر والے مہر میں بڑی رقم متعین کرنے پر بضد ہیں جیسا کہ ہمارے ملکوں میں عموماً ہوتا ہے، تو ہمیں حسب استطاعت کچھ نہ کچھ مہر ضرور نقد ادا کرنا چاہئے (اور باقی مؤجل طے کرلیں) جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کی زرہ فروخت کرا کے مہر کی ادائیگی کرائی۔ آج ہم جہیز اور شادی کے اخراجات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں لیکن مہر کی ادائیگی جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس سے کتراتے ہیں۔ مقدار مہر کی تعیین میں بے اعتدالی نہ برتی جائے اس کی مقدار اتنی ہو کہ مرد بآسانی ادا کردے۔ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: عورتوں کے مہر کے معاملے میں غلو نہ کرو کہ عداوت کا سبب بن جائے۔ (مسند احمد)

جہیز کی لعنت: امت کے تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لاڈلی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو چند چیزیں عنایت فرمائی تھیں جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب فاطمہؓ کا نکاح کیا تو ان کے ساتھ ایک چادر، چمڑے کا تکیہ جس کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے، دو چکیاں، ایک مشکیزہ اور دو چھوٹے گھڑے تھے۔ (مسند احمد ونسائی) لیکن اسے سنت کہنا درست نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں حضرت رقیہ اور ام کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیا تھا اور ان دونوں کو کوئی چیز دینا احادیث میں وارد نہیں ہے۔ اگر جہیز دینا سنت ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تمام بیٹیوں کو بلاتفریق جہیز سے نوازتے۔ حضرت علیؓ کے نکاح کے وقت نہ حضرت علیؓ کا اپنا کوئی ذاتی گھر تھا اور نہ ہی کوئی ساز وسامان۔ جب آپؓ کے نکاح کی خبر حضرت حارث بن نعمانؓ نے سنی تو بخوشی اپنی سعادت سمجھتے ہوئے اپنا ایک گھر حضرت علیؓ کو رہنے کے لئے پیش کردیا۔ حضرت علیؓ نے اپنی زرہ حضرت عثمانؓ کو ۴۸۰ درہم میں فروخت کردی اور جاتے وقت حضرت عثمانؓ نے وہ زرہ حضرت علیؓ کو تحفہ میں دے دی۔ اسی زرہ کے پیسے سے حضرت فاطمہؓ کے گھر کا سامان خریدا اور حضرت عائشہ اور ام سلمہؓ کو حکم دیا کہ حضرت علی اور فاطمہؓ کے ساتھ ان کے گھر تک جاؤ۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سارا سامان حضرت علیؓ کے پیسے سے خریدا گیا تھا نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو جہیز میں دیا تھا۔ اس واقعہ کو جہیز لینے اور دینے کے لئے کسی طرح حجت نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مہر کے علاوہ فریقین میں سے کسی طرف سے کوئی مال یا جائداد مطالبہ کرکے لینا جائز نہیں ہے۔ مگر لوگ اپنی بیٹی یا داماد اور اس کے گھر والوں کو بغیر کسی مطالبہ کے اپنی استطاعت کے مطابق جو سامان دیں تو اس کی گنجائش ضرور ہے لیکن اس میں بھی حتی الامکان کمی کرنی چاہئے تاکہ غریبوں کی بچیوں کی شادی آسان ہوسکے اور جہیز کی کثرت کی وجہ سے جو نقصانات سامنے آرہے ہیں ان پر کسی حد تک کنٹرول کیا جاسکے۔

رشوت: رشوت اپنے جائز یا ناجائز مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اہل منصب کو روپئے یا کوئی دوسری چیز پیش کرنا۔ موجودہ دور میں اس لین دین کو ہدیہ یا نذرانہ کا خوبصورت نام دیا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ رشوت ہے۔ رشوت کی مذمت اور اس کے لینے اور دینے والوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی سخت وعیدیں فرمائی ہیں، چنانچہ فرمان رسول ہے: رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔ (ابن ماجہ) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رشوت لینے اور دینے والا دونوں ہی دوزخ میں جائیں گے۔ (طبرانی) اسلام کی نظر میں جس طرح رشوت لینے اور دینے والا ملعون اور دوزخی ہے اسی طرح اس معاملہ کی دلالی کرنے والا بھی حدیث رسول کی روشنی میں ملعون ہے۔ صحابی رسول حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے والے اور رشوت کی دلالی کرنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔ (مسند احمد وطبرانی) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ قاضی کا کسی سے رشوت لے کر اس کے حق میں فیصلہ کرنا کفر کے برابر ہے، اور عام لوگوں کا ایک دوسرے سے رشوت لینا ''سُحت'' یعنی حرام ناپاک کمائی ہے۔ (طبرانی) رشوت دینے کی گنجائش کب ہوسکتی ہے؟ ایک شخص کا حق ہے کہ جو اسے ملنا چاہیے، رشوت دیے بغیر نہیں ملے گا، یا اتنی دیر سے ملے گا جس میں اسے غیر معمولی مشقت برداشت کرنی پڑے گی۔ اسی طرح اس کے اوپر کسی فرد کی طرف سے ظالمانہ مطالبات عائد ہو گئے ہیں اور رشوت دیے بغیر ان سے خلاصی مشکل ہے تو امید ہے کہ رشوت دینے والا شخص گناہ گار نہ ہوگا، البتہ دیانت شرط ہے جس کی ذمہ داری خود اس پر ہوگی۔

سود یعنی انسانوں کو ہلاک کرنے والا گناہ: سب سے پہلے سمجھیں کہ سود کیا ہے؟ وزن کی جانے والی یا کسی پیمانے سے ناپے جانے والی ایک جنس کی چیزیں اور روپئے وغیرہ میں دو آدمیوں کا اس طرح معاملہ کرنا کہ ایک کو عوض کچھ زائد دینا پڑتا ہو "ربا" اور "سود" کہلاتا ہے۔ جس وقت قرآن کریم نے سود کو حرام قرار دیا اس وقت عربوں میں سود کا لین دین متعارف اور مشہور تھا، اور اُس وقت سود اُسے کہا جاتا تھا کہ کسی شخص کو زیادہ رقم کے مطالبہ کے ساتھ قرض دیا جائے خواہ لینے والا اپنے ذاتی اخراجات کے لئے قرض لے رہا ہو یا پھر تجارت کی غرض سے، نیز وہ صرف ایک مرتبہ کا سود ہو یا سود پر سود۔ مثلاً زید نے بکر کو ایک ماہ کے لئے ۱۰۰ روپئے بطور قرض اس شرط پر دئے کہ وہ ۱۱۰ روپئے واپس کرے، تو یہ سود ہے۔ بینک میں جمع شدہ رقم پر پہلے سے متعین شرح پر بینک جو اضافی رقم دیتا ہے وہ بھی سود ہے۔ سود کی حرمت قرآن وحدیث سے واضح طور پر ثابت ہے، جس کے حرام ہونے پر پوری امت مسلمہ متفق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام مذکورہ برائیوں سے محفوظ رہ کر دنیاوی فانی زندگی گزارنے والا بنائے، آمین۔

دعوتِ فکر وعمل

اسلامی صحافت کی اہمیت وضرورت

محترم جناب مجاہد صاحب

پیار واصلاح، الفت وہدایت اور محبت ونصیحت کی چاشنی، اگر سحرِ زبانی کے ذریعے چکھائی جاسکتی ہے، تو انہی عمدہ چیزوں کی رونق، طلسمِ قلم کے واسطے سے بھی دکھائی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی خطیب اپنے اندازِ بیاں پر نازاں، اس کی فضیلت ''عَلَّمَهُ الْبَيَانَ'' سے ثابت کرے گا، تو ایک ادیب اپنے اسلوبِ قلم پر شاداں، اس کی اہمیت ''الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ'' سے واضح کرے گا۔ دونوں کا مقام الگ الگ، دونوں کا مکان علیحدہ علیحدہ، صاحبِ بیان کا اپنا نصیب اور صاحبِ قلم کا اپنا مقدر!!

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مدارسِ دینیہ نے زبان آوروں کی پیدائش، ان کی نشو ونما اور ترقی میں بھرپور کردار ادا کیا ہے؛ جس کی وجہ سے گفتار کے میدان میں کسی بھی موضوع پر مباحثے، مناظرے اور مجادلے میں کوئی ان کی ہم سری کرنے کے قابل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب بھی اس گئے گزرے دور میں دین کے معاملات میں بہ ذریعۂ زبان، کی جانے والی ''تلقینِ غزالی'' صرف علمائے کرام ہی کی معتبر جانی جاتی ہے اور سلیم الفطرت اسلامیانِ ہم مذہب، علماء ہی کے در پر آکر اپنا ذہنی خلجان دور کرتے ہیں۔ لیکن بہ ایں ہمہ اس اندوہ ناک حقیقت سے بھی فرار ممکن نہیں ہے کہ ایک جدت پرست طبقہ ایسا بھی ہے جو ماڈرن دانش ورانِ جہالت کا حلقہ بگوش ہے، جو اپنی ہدایت کی راہ کو گم کر بیٹھے ہیں۔ اِدھر مدارسِ دینیہ اور علمائے کرام کی طرف سے صحافت کا میدان بہ شمول تحریر کے اکثر بے توجہی کا شکار رہا ہے، اس محاذ کو جس التفات کی ضرورت تھی، وہ اس کو نہیں مل پائی۔ جس کی وجہ سے ایک ''اسلامی صحافت کے بحران'' کا سا سماں رہتا ہے۔

علمائے کرام کے اس میدان میں قدم رنجہ نہ فرمانے کی وجہ سے اس زمین کو بے علم اور بے فہم سیکولر لوگوں نے روند ڈالا ہے، عوام ان کی گمراہ کُن راہ نمائی کی وجہ سے اپنا اسلامی راستہ دھیرے دھیرے فراموش کیے چلے جارہے ہیں، ان کے عقائد ونظریات، عبادات ومعاملات اور اقوال وافعال، حد درجہ خراب ہو چکے ہیں، بنا بریں یہ معاشرہ اسلامی نہیں، بلکہ مغربی تہذیب کی ایک خزاں رسیدہ اور سوختہ شاخِ نازک کا منظر پیش کرتا ہے۔ یہ تباہی

اس لیے وقوع پذیر ہوئی ہے کہ علماء کے عدمِ التفات کے سبب، حامیانِ سیکولرازم نے صحافتی محاذ پر اپنے ''دجّالی میڈیائی ایمونیشن'' کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ آپ ان کی غیر اسلامی کوششوں کو ایک نظر ملاحظہ فرمائیں، جن کے نتیجے میں موجودہ دور تعقّل پسندی کا زمانہ قرار پایا ہے۔ انہوں نے آج کے انسان کو ''جدیدیت'' کے عنوان سے، مذہب کی بنیاد تعقل پسندی اور انکار پر استوار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ لہٰذا عقل پسندی یہ ہوئی کہ وہ اس کائناتِ رنگ و بو کے ہر گل و خار کو عقل کی کسوٹی پر، پرکھتا ہے۔ مذہب و دنیا کی جو بات، فکر اور سوچ عقلِ ناکارہ کے چھوٹے چھوٹے پلڑوں میں سما کر اسے جھکا دے، وہی چیز اس جدید انسان کی زندگی میں ''قابلِ عمل'' کی حیثیت سے وجود پا سکتی ہے، اس میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ مذہب کا بکھیڑا، اوّل تو اس جدت پرست سے پالا ہی نہیں جاتا اور اگر اس کی کوئی رمق اس کی چار دن کی زندگی میں دِکھ بھی جائے تو وہ بھی ''چیزے دیگر است'' سے زیادہ کی اہمیت حاصل نہیں کر پاتی۔ دوسری چیز انکار ہے۔ انکار میں خدا کا انکار، رسول کا انکار، آسمانی کتب کا انکار، اقوالِ رسل کا انکار اور مذہب کا انکار۔ دنیا کا در آباد اور عقبیٰ کا گھر برباد کرنے والے آخرت کی عیاں حقیقت سے گُریزاں، انہی قلم کاروں کی نامعقول سعیٔ بسیار سے آج کے انسان نے تاریخ کا بھی انکار کر کے لذتِ پیٹ تعقل پسندی اور شہواتِ نفسانیہ کو اپنا نصب العین بنا لیا ہے۔ یہ ہی وہ چیز ہے، جسے سیاسی زبان میں سیکولرازم کہا جاتا ہے۔ الحاد و لادینیت اور دہریت اسی کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا نام ہے۔ اس کو آسان الفاظ میں فلسفۂ زر، زن اور زمین سے متعارف کرایا اور پہچانا جا سکتا ہے۔ سیکولرازم کے حامیوں کا اس کے سوا کوئی کام ہی نہیں ہے، بلکہ اگر یوں کہا جائے تو شاید صحیح مفہوم ادا ہو سکے کہ وہ اس نظریے کے متضاد، ہر فکر کو فکرِ فاسد، ہر بات کو لائقِ عدم التفات اور ہر کام کو کارِ بے سود گردانتے اور باور کراتے ہیں۔ نتیجۃً اسی سوچ، فکر اور نظریے کے تحت ادارے، ریسرچ سینٹرز اور تحقیقاتی لیبارٹریز وجود میں آ رہی ہیں۔

زمینی حقیقت کا انکار نہیں کرنا چاہیے، انہوں نے ہماری صفوں میں اپنے لوگ داخل کر کے دراڑیں پیدا کر دی ہیں۔ پولیٹیکل پلیٹ فارم اور دینی محاذ، دونوں میدانوں میں اس طرح کے ایجنٹ موجود ہیں، مذہبی و سیاسی کاز پر اپنے اور پرائے بہت سے لوگ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے خونین چہرے سے نقاب سرکایا جائے تو پرائے فقط دشمن اور اپنے بدترین کینہ پرور دشمن بن جاتے ہیں، انہوں نے پروپیگنڈہ مہم کے ذریعے عوام کو فقط مخلص مسلم قومی قیادت اور صرف علمائے حق سے بدظن کیا ہے۔ میڈیا کا ہر جائز و ناجائز استعمال کر کے مسلم عوام کی اپنے ویری بیڈ پلان کے مطابق برین واشنگ کی ہے۔ اوّل تو مذہب کا انکار کروانا چاہا، ناکامی پر اسے آخرت کا فسانۂ غیر اہم باور کروا کر طاقِ نسیان میں رکھوا دیا۔ بے علمی، بے حسی اور مصلحت کوشی کا تُخم بد بویا،

جس کا شجرِ خبیثہ اب تناور ہو چکا ہے۔ ہمارے صحافی رہنماؤں کو صحافت کے نام پر منافقت اور روشن خیالی کے روپ میں دہریت کا بپتسمہ دیا گیا ہے۔ سیکولر دنیا نے اپنے دباؤ اور ہمہ انواع وجہات سقوطوں کے بعد کافی زمانہ تک غلامی کی زندگی گزارنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی ہماری مرعوبیت اور متأثرانہ طبیعت سے خوب خوب فائدہ اٹھا کر نظامِ دنیا کی لگام اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ سیاسی، معاشی، معاشرتی، تجارتی، تعلیمی، غرض ہر میدان میں متبادل نظریات وسسٹمز پر عمل کروایا۔ ہمیں ذاتیات میں الجھا کر تعمیر کے بجائے تخریب کا کارِ بد ہماری گھٹی میں ڈال دیا۔ نتیجۃً مسلم عوام ایک دوسرے کی کردار کشی میں جُت گئی۔ باوجود اس کے کہ، کردار کے حمام میں (بہ استثنائے قلیل) ہر کوئی عریاں اور الف ننگا ہے۔ چناں چہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ایک مسلمان، غیر اسلامی نظریات کے بل بوتے کبھی سکون کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ بنابریں، ہم مشاہدہ بالعین کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ سیکولرازم سے متأثر ہمارے ان کلمہ گو مسلمان بھائیوں کی طبیعتیں بوجھل اور افکار پریشان رہتے ہیں۔ اصل مقاصد واسلامی نظریات پر نظر نہ رہنے کی وجہ سے بھانت بھانت کے نظریات سر اٹھا رہے ہیں۔ جتنے منہ، اتنے ہی افکار ہیں۔ تراشیدہ مورتیوں کی طرح انہی خود ساختہ نظریات وافکار کی اوٹ میں المیوں کو پیدا کیا جا رہا ہے یہ المیے صرف کسی ایک ملک میں نہیں ہیں، بلکہ اس کوڑھ کی کاشت تمام عالمِ اسلام میں کی جا رہی ہے۔ جس کی وجہ سے امتِ مسلمہ میں ذہنی پس ماندگی اور ذہنی جمود نے جنم لیا ہے۔ ذرا دیکھیے! ذہنی جمود، نظریاتی جمود، شعوری جمود، سیاسی جمود، عملی جمود،؟ جمود۔ اور جمود اندر جمود..... بعد میں یہی جمودات سقوط کی جنم بھومی بن جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں! سقوطِ غرناطہ، سقوطِ دہلی، سقوطِ خوارزم، سقوطِ بغداد، سقوطِ بیت المقدس، سقوطِ مشرقی پاکستان، سقوطِ کابل، سقوطِ مسلم، سقوطِ؟، سقوط در سقوط!!!

محترم! یہ اندوہ ناک اور دل گیر صورتِ حال کیوں پیدا ہوئی، تاریخ کا گہرا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب بھی علماء اپنے ذمہ دارانہ فرائضِ منصبی سے کچھ غافل ہوئے ہیں، تب ہی مسلم قوم کو یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔ ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی میدانِ عمل خصوصیت کا حامل رہا ہے، جس میں علمائے دین کی موجودگی اس طرح ضروری رہی ہے، جیسے زندگی کے لیے پانی!!! اسی وجہ سے 21 ویں صدی کے اس قیامت کی چال چلنے والے تیز ترین دور میں اہمیت یافتہ محاذ، صحافت کا ہے۔ آج 95 فیصد صحافت سیکولر ہے۔ اسلامک جنرلزم نہ ہونے کی وجہ سے مغرب نواز کالم نگار، اینکر پرسن، پروڈیوسرز اور پروگرامرز وغیرہ جہاد وخلافت کا حقیقی مفہوم ہماری اجتماعی زندگی سے نکالنے میں کافی کامیاب رہے ہیں۔ اس کے علاوہ یہودی دماغ سے فکری نشو ونما اور عیسائی وسائل سے بطنی غذا پانے والے قلم کاروں نے ایک اور خطرناک کام یہ کیا کہ انہوں نے آج کے حقیقی علم سے نابلد

مسلمانوں کو یہ باور کرانا شروع کر رکھا ہے کہ اسلام موجودہ زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس کام کے لیے انہوں نے مغرب سے جدید نصابِ تعلیم وفکر امپورٹ کیا، مغربی عریاں کلچر کے نمائندہ اس انگلش ٹیکسٹ کو انگریزی میں ٹرانسلیٹ کر کے بچّوں کے ہاتھوں میں تھما دیا، اس انگریزی مواد کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اسلام پر اعتماد کو متزلزل کرتا، وہ یہ گند، شاہین بچوں کے ننھے منّے ذہنوں میں ڈال کر انہیں زاغ صفت بناتا ہے کہ بے شک اسلام نے ایک زمانے میں اچھا کام کیا تھا۔ بہت خوب پارٹ ادا کیا تھا، لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اس وقت وہ بہت ہی غیر ترقی یافتہ زمانہ اور پتھر کا دور تھا۔ خدا بھلا کرے ان لوگوں کا، مثلاً عورت کو کچھ حقوق مل گئے۔ دختر کشی بند ہوگئی اور شراب اتنی نہیں پی جانے لگی وغیرہ، لیکن اب اسلام اس زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا کہ یہ نیا، جدید اور روشن خیال وآزاد فکر دور ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حالاتِ حاضرہ کا ایک دل گیر عمومی منظر نامہ ہے، جو سب سیکولر جرنلزم کا کیا دھرا ہے۔ اور اگر بہ نظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ یہ سانحہ صرف علماء کی وقت کے اس اہم میدان میں غیر حاضری کی وجہ سے رونما ہوا ہے۔ جاننا چاہیے کہ یہ وقت بڑا نازک ہے، یہ کفر واسلام کی جنگ ہے، اس وار آف میڈیا کا پانسہ بدلنے اور اس نازک، لیکن پُرخطر جنگ کو جیتنے کے لیے اسلامیانِ امتِ محمدیہ کو اپنے اندر تبدیلی لانا ہوگی، کیوں کہ اگر یہ بات المیہ ہے کہ حالات اور کفریہ طاقتیں ہمارے خلاف ہیں، تو پھر یہ امر بھی سانحہ ہے کہ ہم نے اس خطرناک اور تباہ کُن خاموش طوفانِ بلاخیز کا چیلنج بھی قبول نہیں کیا ہے۔ ادھر دجّال کے میڈیائی آلۂ کار... سینماز، اَن اسلامک ویڈیوز، ٹی وی، ریڈیوز، اخبارات، رسائل، انٹرنیٹ، فیس بک، اور ٹوئٹر سمیت سوشل میڈیا کے تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمانوں کی نظریاتی اور اخلاقی اقدار پر حملہ آور ہیں، دنیا کے تمام ٹی وی اور ریڈیو چینلز اخبارات اور جرائد، اس وقت کفار کے حق میں استعمال ہو رہے ہیں، عالم گیر سطح پر پڑھے جانے والے آن لائن نیوز پیپرز اور مقبولِ عام ریڈیوز اور ٹی وی چینلز، یہودی لابی کے ہاتھوں یرغمال ہیں؛ جب کہ اسلامی ملکوں میں الیکٹرانک میڈیا اور اخبارات وجرائد پر حاوی افراد بھی عموماً، بلکہ اکثر سیکولر ذہن کے حامی ہیں۔ وہ شعوری یا لاشعوری طور پر کفریہ طاقتوں کے دستِ سفّاک میں کھیل کر اسلامی معاشرے میں الحاد کے زہرِ ہلاہل کی پھُوار، ایسے دھیمے انداز میں برسا رہے ہیں کہ کم علم مسلمان کو محسوس تک نہیں ہوتا اور وہ مغربی روشن خیالی کی ناپاک بارش سے گیلا بھی ہو چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا، حالاتِ حاضرہ کی اس روح فرسا تصویر دیکھ لینے کے بعد اب ''عمومی طور'' کی بات نہیں رہی، بلکہ خصوصی طور پر دینی طبقے سمیت علمائے اسلام کو اس میدان میں اُترنا اور انہیں اپنی صلاحیتوں کے استعمال پر مکمل ذمہ داری سے غور وفکر اور سنجیدگی سے سوچ وبچار کرنا ہوگا،

اس حوالے سے تبادلۂ خیال اور تحریری صلاحیت سمیت تمام شعبہ ہائے صحافت میں داخل ہونے کی سخت ضرورت ہے، مغرب کے مذموم عزائم اور خطرناک چیلنجز کو سمجھ کر عملی کردار ادا کرنا ہوگا، اس امر کی بھی سخت ضرورت ہے کہ علماء، مغرب کی رائے عامہ سمیت مغربی میڈیا اور سائنٹیفک طریقِ کار تک رسائی حاصل کریں۔ اسلام کے قوانین واحکام کو آج کی آسان زبان میں دنیا کے سامنے پیش کریں، اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمارا جرم نہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں قابلِ معافی ہوگا اور نہ تاریخ ہمیں معاف کرے گی۔

یہاں اسلامی صحافت کا میدان سجانے کے حوالے سے ایک خطرناک اور مضر غلط فہمی کا ازالہ کرنا بھی ضروری ہے، جس کی وجہ سے اب تک دینی مدارس کے فضلاء کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ مدارس کے علماء وطلباء میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ''کوئی عالم، جس طرح کسی دوسرے کام دھندے میں لگ جائے تو علم سے محروم رہ جاتا ہے، اسی طرح دورۂ حدیث کرنے کے بعد صحافی بن جانے سے بھی یہ خطرہ ہے کہ علمِ دین میں اشتغال اور اس کی خدمت سے محرومی نہ ہو جائے۔'' یہ بات قطعاً غلط ہے۔ اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، اسلامک جرنلزم تو درحقیقت علم کا سمندر ہے، وہ لامتناہی معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے، صحافت تو اس بحرِ ذخّار میں اتر کر موتی چننے اور اس خزانے سے جواہرات کا انتخاب کر کے آنکھوں کو خیرہ کرنے والے خوبصورت نمونے بنانے کا دوسرا نام ہے۔ کیا ممکن ہے کہ بغیر مطالعے کے اور عصرِ حاضر کی تازہ معلومات سے آراستہ ہوئے بغیر آدمی کوئی کام کی چیز لکھ یا پیش کر سکے؟ ظاہر ہے ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے۔ تب تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحافت، وادیِ علم کی طرف جانے والی شاہراہ اور گنج ہائے گراں مایہ کی کنجی ہے۔ اس خوب صورت زیور سے آراستہ ہونے کے بعد تو انسان دین، علمِ دین اور اہل دین کی خدمت مزید بہتر اور منظم انداز میں کر سکتا ہے۔

ذرا تصور کیجیے کہ کوئی عالم، امام مسجد یا خطیب ہے اور صحافت کے فن سے بھی آشنا ہے... یا... کسی صحافتی ادارے میں عملی طور پر خدمات انجام دے رہا ہے، تو وہ اپنے مقتدیوں اور اہل محلہ تک دین کی تعلیمات کتنے بہتر انداز میں پیش کرنے کے قابل ہوگا؟ اس کا ادراک ہر کوئی کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر دینی مدرسے کا مدرِّس... صحافی، اینکر پرسن، کالم نگار یا اداریہ نویس ہے، اس کے فیچر اور آرٹیکل مختلف موضوعات پر شائع اور بیانات مختلف ٹی وی چینلز اور انٹرنیٹ پر نشر ہوتے رہتے ہیں، تو ذرا بتائیے کہ اپنے طلباء اور ساتھی مدرِّسین میں اس کی مقبولیت اور نافعیت کم ہوگی یا زیادہ!؟!

بہ ہر حال! اب آخری بات یہ ہے کہ سیکولر صحافت کی جگہ اسلامی صحافت کو اس کی اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر..... جاری کرنے کے لیے خصوصاً علماء اس اہم کام کو اپنی دینی ذمہ داری جان کر۔۔۔ (بقیہ ص: ۲۰ پر)

دعوتِ فکر و عمل

برمی مسلمانوں کی تاریخ؛ اور کرنے کے کام!

محترم محمد آصف اقبال صاحب

ہر انسان کی یہ فطری خواہش ہے کہ سکون و اطمینان کی زندگی گزارے۔ اس کے باوجود ہر دور میں اور ہر مقام پر سماج میں ایسے ناسور موجود ہوتے ہیں جو انسانوں کی فطری خواہشات کے خلاف سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو متشدد افکار و نظریات ہیں تو دوسری وجہ اقتدار کی ہوس ہے۔ لہذا وہ کسی نہ کسی بہانے امن و امان غارت کرتے رہتے ہیں۔ سکون و اطمینان انسانوں کو میسر آئے اس کے خلاف سرگرم عمل رہتے ہیں ساتھ ہی اپنے پسندیدہ عمل کو انجام دینے کے لیے جھوٹ و فریب اور ظلم و زیادتیوں کا سہارا لیتے ہیں۔ دنیا میں زمان و مکان کی قیود سے باہر اس طرح کے مناظر تاریخ کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ لیکن کیونکہ ہمیں تاریخ سے دلچسپی نہیں اور اگر دلچسپی ہے بھی تو صرف ایک سبجیکٹ کے طور پر ہر چیز کو ہم پڑھنے کے عادی ہو چکے ہیں لہذا واقعات جو تاریخ میں بیان کیے گئے ہیں ان سے ہم کسی طرح کا سبق حاصل نہیں کرنا چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے ہم اندھے گونگے بہرے بنے ذاتی زندگی کے لیے آرام و سکون تلاش کرتے پھرتے ہیں اور تعیش پسندی کے ہمہ وقت خواہاں نظر آتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیے ایسے انسان جو صرف اپنے لیے زندگی گزاریں وہ نہ دنیا کے لیے سودمند ثابت ہو سکتے ہیں اور نہ ہی انسانوں کی تخلیق کرنے والا انہیں پسند کرتا ہے۔ موجودہ دور میں کچھ اسی صورتحال سے ہم اور آپ بھی گزر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس عمل پے میں بھی اور آپ بھی نظر ثانی کریں اور اپنے شب و روز کے اعمال میں تبدیلی لائیں۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کے درمیان دنیا کے دہشت گرد بڑی سرعت کے ساتھ مسائل پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہی سمجھ میں آتی ہے کہ مسائل کا اتنا بڑا انبار لگا دیا جائے کہ وہ اسی میں الجھے رہیں اور کچھ اور سوچنے سمجھے اور کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔ تو دوسری وجہ جو سامنے آتی ہے وہ مسلمانوں کو ہر سطح پر کمزور کرنے کی منظم و منصوبہ بند سازش ہے۔ متذکرہ دو حالات میں مسلمانوں کا ایک طبقہ مسائل سے راست دوچار ہوگا، کچھ بلا واسطہ متاثر ہوں گے، کچھ نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا ہوں گے تو بڑا طبقہ خوف کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگا۔ نتیجہ میں وہ اہداف حاصل ہوں

جائیں گے جو مطلوب ہیں۔ آج اور کل، اس ماہ اور گزشتہ ماہ اور پچھلے چند سالوں میں ان مسائل میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ فی الوقت جس اہم مسئلہ کو دنیا بھی اہم سمجھتے ہوئے فوری طور پر متوجہ نظر آتی ہے، چند جملوں کے بادشاہ بھی اس مسئلہ کو اہمیت دیتے ہوئے بطور جملہ ہی سہی کچھ کہتے نظر آتے ہیں، وہ مسئلہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے بطور امت اور بحیثیت قوم سنگین شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔ یہ مسئلہ برما کے مظلوم مسلمانوں کا مسئلہ ہے جنہیں روہنگیا کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ برما میں فوج، بودھ مذہبی رہنماؤں، عام شہریوں اور متشدد تنظیموں کی جانب سے یہ برمی مسلمان زندگی اور موت سے جوجھ رہے ہیں۔ چہار جانب ان معصوم ومظلوم قوم کے افراد کی لاشیں بکھری پڑی ہیں، ان کی بدبو پھیلی ہوئی ہے، وہ اپنی جان کی امان کی خاطر ملک سے نکلنے کے فراق میں ہیں، آگے اور پیچھے سے ان پر حملے ہو رہے ہیں، وہیں چند ممالک ان کو پناہ بھی دے رہے ہیں اور ان کے پرسان حال میں بھی شریک ہیں۔ اس وقت بڑا سوال یہ نہیں ہے کہ یہ حالات کیوں پیدا ہوئے؟ فی الوقت سوال یہ ہے کہ ان کی مدد کیسے کی جائے؟ لیکن چونکہ مذہب دنیا میں ہر ملک کی ایک باؤنڈری لائن ہوتی ہے لہذا یہ باؤنڈری پار کرنا اُس ملک کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ بدھ مت کے پیروکاروں کا کہنا ہے کہ مسلمان برما میں باہر سے آئے ہیں اور انہیں برما سے بالکل اسی طرح ختم کردیں گے جس طرح اسپین سے عیسائیوں نے مسلمانوں کو ختم کیا تھا۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ برما کا ایک صوبہ اراکان وہ سرزمین ہے جہاں خلیفہ ہارون رشید کے عہدِ خلافت میں مسلم تاجروں کے ذریعہ اسلام پہنچا تھا۔ اس وقت ملک میں مسلمان بغرض تجارت آئے تھے اور اسلام کی تبلیغ شروع کی تھی۔ اسلام چونکہ ہر شخص کا فطری دین ہے اور فطرت سے ہم آہنگ ہے لہذا وہاں کی کثیر آبادی نے اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا اور 1430ء میں مسلم حکومت کی بنیاد رکھی۔ اراکان میں ساڑھے تین صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی، مساجد بنائیں، قرآنی حلقے قائم کئے، تعلیم گاہوں کا اہتمام کیا، ملک کی ترقی، امن وامن اور بڑی حد تک عدل وانصاف کے قیام میں سرگرم عمل رہے۔ آج برما جسے اب میانمار کہا جاتا ہے بدھ کے پیروکاروں کا ملک ہے۔ اراکان اس کا ایک صوبہ ہے جو بیس ہزار مربع میل پر مشتمل ہے۔ اس میں تقریباً تیس لاکھ سے زائد مسلمان آباد ہیں۔ اراکان دراصل تاریخی حیثیت کا حامل ایسا علاقہ ہے؛ جو ایک زمانے میں باقاعدہ خودمختار خوشحال مسلم سلطنت تھا جس کی ابتدا 1420ء کے دوران ہوئی۔ اراکان کے پڑوس میں برما تھا جہاں بدھسٹوں کی حکومت تھی۔ مسلم حکمراں بودھسٹوں کو ایک آنکھ نہ بھائے اور 1784ء میں اراکان پر حملہ کیا، جنگ ہوئی اور آخر کار اراکان کو شکست ہوئی۔ اسے برما میں ضم کرلیا گیا اور اس کا نام بدل کر میانمار رکھ دیا۔ 1824ء میں برما برطانیہ کی غلامی میں چلا گیا، سو سال سے زائد غلامی کی زندگی گذارنے کے بعد 1948ء میں انگریزوں سے خودمختاری حاصل ہوئی۔ برطانیہ سے آزاد ہونے کے کچھ

عرصے بعد ہی میانمار میں یونین سیٹیزن ایکٹ پاس کیا گیا جس میں ان تمام قوموں کا ذکر کیا گیا جنہیں میانمار کی شہریت کا حق تھا جن میں یہ مسلمان شامل نہیں کیے گئے۔لیکن اس ایکٹ کے تحت اُن لوگوں کو بھی شہریت لینے کا حق دیا گیا جن کے خاندان دونسلوں سے یہاں آباد تھے۔لہٰذا بہت سے مسلمانوں کو اس ایکٹ کے تحت عارضی شہریت دے دی گئی۔ساتھ آزادی کے بعد پہلی فرصت میں بدھسٹوں نے مسلم شناخت کے مٹانے اور مسلمانوں کی نقل مکانی کا کام شروع کر دیا، چنانچہ پانچ لاکھ مسلمان برما چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔سعودی عرب، پاکستان، بنگلہ دیش، ملیشیا اور امریکہ و دیگر ممالک میں یہ لوگ پناہ گزیں کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ 1962 کے فوجی اقتدار کے بعد میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کے لئے تمام حالات ڈرامائی انداز میں بدلتے چلے گئے۔تمام شہریوں کے لیے نیشنل رجسٹریشن کارڈ کا حصول لازم کر دیا گیا اور روہنگیا مسلمانوں کو غیر ملکی تصور کر کے انہیں غیر ملکی شناختی کارڈ جاری ہوئے۔جس کی وجہ سے ان کے لئے ملازمتوں، تعلیم اور دیگر سہولیات کے دروازے بند ہوتے گئے۔1982 میں پھر ایک نیا قانون پاس ہوا جس کے مطابق روہنگیا مسلمان میانمار میں موجود کسی بھی قومیت سے تعلق نہیں رکھتے۔اس کے علاوہ شہریت کے لیے تین مراحل متعارف کروائے جن کی کم ازکم شرط یہ تھی کہ شہریت لینے والے کے پاس اس بات کا ثبوت ہو کہ وہ یا اسکا خاندان میانمار میں 1948 سے پہلے قیام پذیر ہے۔تحریری ریکارڈ نہ ہونے کے نتیجہ میں بڑی آبادی شہریت کے حقوق سے مسترد کر دی گئی اور مسلمانوں کے لیے تعلیم، روزگار، مذہبی رسومات اور دیگر بنیادی سہولیات پر پابندی عائد کر دی گئی جو اب تک جاری ہیں۔یہ لوگ نہ تو ووٹ دے سکتے ہیں، نہ میڈیکل یا قانون کے شعبوں میں جا سکتے ہیں اور نہ ہی اپنا کوئی کاروبار شروع کر سکتے ہیں۔

آخری بات کہ ان حالات میں ہم ہندوستانی مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ یہاں یہ مسئلہ بھی صاف رہنا چاہیے کہ معاملہ صرف مسلمانوں کا نہیں ہے معاملہ تو انسانی حقوق کا ہے جو ہر انسان اور ہر حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔پہلے مرحلے میں انسانیت سے ہمدردی کی بنا پر حکومت کو سخت رویہ سے پرہیز کرنا چاہیے اور عام ہندوستانیوں اور خصوصا مسلمانوں کو قانونی دائرہ میں رہتے ہوئے مظلومین کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیے۔دوسری جانب ہمیں چاہیے کہ ہم برادران وطن سے ہمدردی کی بنیاد پر تعلقات استوار کریں، ان کے دکھ درد میں شریک ہوں اور ان کے کام آئیں ساتھ ہی اسلامی تعلیمات سے لوگوں کو آراستہ کریں۔ان تمام کاموں میں ہم ہندوستانی مسلمانوں کو فوری طور پر عمل پیرا ہو جانا چاہیے۔اس بنا پے نہیں کہ ہم حال یا مستقبل میں کسی بھی طرح کے خوف سے دوچار ہیں بلکہ اس بنا پے کہ اللہ نے ایک مسلمان کو یہی ہدایات وتعلیمات دی ہیں۔یاد رکھیے جو لوگ اللہ کی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں وہی دنیا و آخر میں سرخ رو ہوں گے!

تعاقب فرق ضالہ

قرآن، اللہ کا کلام ہے نہ کہ مخلوق

از: مولانا محمد کبیر الدین قاسمی*

اہل السنۃ والجماعۃ کے یہاں قرآن مجید اللہ جل جلالہ کا کلام ہے، اور اس کی صفت ہے، مخلوق اور قدرت کی بنائی ہوئی چیز نہیں ہے جیسا کہ جہمیہ اور معتزلہ کا وہم ہے، ان کے وہم اور شبہات کے جوابات گذر چکے ہیں اس شمارے میں فقط کلام اللہ کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد و دلائل قلم بند کرنے کی سعی کی جارہی ہے۔

اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جس کا تکلم اللہ جل شانہ نے اپنی شایانِ شان فرمایا اور جبرئیل علیہ السلام کو سنایا پھر انہوں نے خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب اطہر پر نازل فرمایا، البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ جن کلمات وحروف اور حرکات وسکنات کی ہم اپنی آواز میں تلاوت کرتے ہیں وہ کلامِ الٰہی کی نقل اور اس پر دال ضرور ہیں لیکن تلاوتِ کلام اللہ میں ہماری صوتی کیفیت کے ساتھ متصف کلمات وحروف اور حرکات وسکنات وغیرہ مخلوق اور حادث ہیں، صرف تفہیم کے لئے ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے کہ شاہِ وقت نے تقریر کی جس میں لوگوں کو ملکی امور کے بارے میں کچھ ہدایات جاری کی، اب جو لوگ مجلس میں حاضر تھے انہوں نے تقریر سن کر دوسرے غیر موجود لوگوں کو شاہ کی تقریری باتوں اور کلام کو سنایا یا یاد کرنے کے لئے خود دُہرایا، اب غور کیجئے کہ وہ کلام جو دوسروں کو سنایا جارہا ہے یاد ہرایا جارہا ہے، ہے تو بادشاہ کا، لیکن سنانے والے کی آواز، ان کا تکلم اور تلفظ یہ تو بادشاہ کا نہیں ہے بلکہ سنانے والوں سے صادر ہورہا ہے، سبھی عقل وفہم رکھنے والے جانتے ہیں کہ اصل کلام تو بادشاہ کا ہے، سنانے والے کا کلام کاپی (Copy) اور نقل ہے دونوں کلام میں کتنا واضح فرق ہے، اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ اللہ رب العلمین جو ازل سے متکلم ہے اس نے اپنا کلام جبرئیل علیہ السلام کو سنایا اور جبرئیل امین نے اس کلام الٰہی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل فرمایا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اس کی تعلیم فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے قل نزله روح القدس من ربك بالحق کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیجئے کہ اس قرآن کو روح القدس (جبرئیل امین) نے تمہارے رب کی جانب سے صدق وعدل کے ساتھ نازل کیا ہے، تو اللہ جل شانہ کا وہ کلام مبارک جو اس سے بغیر کسی قولی یا صوتی کیفیت کے ظاہر ہوا ہے وہی اصل کلام ہے جو اللہ تبارک تعالیٰ کی قدیم صفت، غیر مخلوق اور غیر حادث ہے، اسی عقیدہ کو

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

امام طحاویؒ (متوفی ۳۲۱ھ) تحریر فرماتے ہیں ''وان القرآن کلام اللہ منہ بدأ بلا کیفیۃ قولا وانزلہ علی رسولہ وحیا'' (عقیدۃ الطحاوی: صفحہ ۴۹، ۵۰) کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس کا ظہور قولاً کیفیت کے بغیر ہوا ہے، (یعنی کسی مخلوق کے بولنے کی جو کیفیت اور صورت ہوتی ہے اُس کیفیت اور صورت کے بغیر اللہ تعالیٰ سے اس کی شان کے مطابق کلام کا ظہور ہوا ہے)، اور اس قرآن کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل فرمایا ہے۔

رہی بات کلام اللہ کی تلاوت اور پڑھنے کی، تو وہ انسانی آواز اور کلمات وحروف کی کیفیت کے ساتھ ملی جلی ہوتی ہے جو اللہ جل جلالہ کے کلام کی نقل اور عکس ہے، اسی کو کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

ان ہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں — زبان میری ہے بات ان کی
ان ہی کی محفل سنوارتا ہوں — چراغ میرا ہے رات ان کی

اس تمہید کے بعد آیئے ہم دلائل وشواہد پر نظر ڈالتے جاتے ہیں، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

(۱) وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ (التوبۃ:۶) — اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دیجئے تا آنکہ وہ اللہ کا کلام سن لیں۔

ابوالحسن علی بن محمد الماوردی (متوفی ۴۵۰ھ) لکھتے ہیں: وفی کلام اللہ وجہان احدھما انہ عنی سورۃ برأۃ خاصۃ۔ الثانی یعنی القرآن کلہ (النکت والعیون: ج، ۲/ ۳۴۱) کہ کلام اللہ سے خاص کر سورۂ براءت مراد ہے یا مکمل قرآن کریم مراد ہے، جو بھی مراد ہو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور کلام اللہ جل جلالہ کی صفت ہے مخلوق نہیں ہے جیسا کہ فرقِ ضالہ نے کہا ہے۔

(۲) اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ (الرحمٰن) — نہایت رحم کرنے والا، اسی ذات نے قرآن کی تعلیم دی، اسی نے انسان کو پیدا کیا۔

اس آیتِ شریفہ میں اللہ جل شانہ نے اپنے علم اور خلق کے درمیان فرق کیا ہے، اس طرح سے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور انسان اس کی خلق ہے، اور علم باتفاق معتزلہ غیر مخلوق ہے، تو قرآن جو اللہ کا کلام اور علم ہے غیر مخلوق ہے جس میں شک وشبہ کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ (المحنۃ ص: ۵۳، للامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۴۱)

اس کے علاوہ اور بھی آیاتِ قرآنیہ ہیں جو کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے پر دلالت کرتی ہیں، لیکن خوف طوالت کی وجہ سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

اب آیئے! کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تدبر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ سنت کیا کہتی ہے؟ کتاب کے بعد سنت بھی یہی کہتی ہے کہ قرآن اللہ جل شانہ کا کلام ہے، اس کی صفتِ قدیم ہے، مخلوق نہیں ہے۔

(۳) حضرت ابوسعید خدری ؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:
فضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علی سائر خلقہ (رواہ الترمذی) کہ اللہ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام مخلوقات پر ہے۔ امام عثمان بن سعید دارمی ؒ نے اس حدیث شریف سے قرآن کریم کے غیر مخلوق ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور کلامِ مخلوق کے درمیان اسی طرح فضل میں تفاوت بیان کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے مابین فرق مراتب ہے کہ مخلوق کا فضل وکمال قابل ادراک ہے اور خالق کا فضل وکمال ادراک سے ماوراء ہے تو اگر اللہ جل جلالہ کا کلام مخلوق ہو جیسا کہ غیر اللہ کا کلام مخلوق ہوتا ہے تو کلام اللہ کلام الناس برابر وہم رُتبہ ہو جائے گا اور دونوں میں فضل وکمال کا فرق مٹ جائے گا، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ جل جلالہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔
(الرد علی الجھمیۃ: ۱۶۲، ۱۶۳)

(۴) حضرت خولہ بنت حکیم سلمیہ ؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا من نزل منزلا ثم قال "اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق" لم یضرہ شیئ حتی یرتحل من منزلہ ذلک (رواہ مسلم: ۲۷۰۸) کہ جو شخص کسی مکان میں اُترے پھر یہ دعا پڑھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ تامہ کے ذریعہ مخلوق کے شر سے پناہ لیتا ہوں تو اس کو کوئی چیز تکلیف نہیں پہونچائے گی یہاں تک کہ اس مکان سے کوچ کر جائے
اس حدیث شریف سے اس طرح حجت قائم کی گئی ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلمات مخلوق ہوں تو مخلوق سے استعاذہ (پناہ لینا) لازم آئے گا جو شرک وکفر ہے لہذا کلماتِ الٰہی غیر مخلوق ہے جو اہل السنۃ والجماعۃ کا دعویٰ ہے۔ (الرد علی الجھمیۃ: ۱۴۲)

(۵) ان منقولہ دلائل کے بعد اگر ہم دلیل عقلی میں تدبر وتفکر سے کام لیں تو بھی معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہوسکتا ہے کیوں کہ کلام ایک وصف ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہوتا ہے، وہ موصوف یا تو اللہ تعالیٰ ہوگا یا کوئی غیر ہوگا اور یہ دونوں صورتیں محال ہیں اس لئے کہ اگر موصوف اللہ تعالیٰ ہے اور کلام (جس کو مخلوق فرض کیا گیا ہے) اس کے ساتھ قائم ہے تو حادث (کلام) کا قدیم (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ قیام لازم آئے گا اور یہ محال ہے اور اگر موصوف غیر اللہ ہے تو وہ کلام غیر اللہ کا ہوگا نہ کہ اللہ رب العزت کا۔ اس لئے عقلی طور پر بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم اللہ کا کلامِ منزل ہے مخلوق نہیں ہے۔

کتاب وسنت اور دلیل عقلی کی روشنی میں اہل السنت والجماعۃ کے عقیدہ کی حقانیت ثابت ہوگئی، آخر میں دعا ہے کہ ہم سب کو سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دوام عطا فرمائے۔ آمین

وفیات

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ؛ کچھ یادیں کچھ باتیں

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

کاروانِ آخرت کی برق رفتاریوں پر قلم غمزدہ ہے کہ کس ہستی کو رویا جائے، کس ہشت پہل شخصیت کی جدائی پر ماتم کیا جائے اور کس علمی وادبی نقصان پر آنسو بہائے جائیں۔ ان دنوں رہ رہ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق شناس سے نکلے ہوئے وہ الفاظ یاد آرہے ہیں کہ: "جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جائے گا، اس وقت تک یہ دنیا قائم رہے گی اور جب کوئی ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا باقی نہیں رہے گا، اس وقت اس نظام کائنات کو لپیٹ دیا جائے گا۔

محسوس یوں ہوتا ہے کہ کائنات کے اس نظام کو لپیٹنے کا وقت بتدریج قریب آرہا ہے، اس لئے کہ اللہ والے ایک ایک کر کے اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، چند سالوں میں وقت کی عظیم بزرگ ہستیاں اور علماء وصلحاء دنیائے فانی سے منہ موڑ کر جانب عقبی جا چکے ہیں، حالانکہ یہ حضرات ایسے تھے، جن کی شبانہ روز دعاؤں اور توجہات کی بدولت یہ دنیا فتنوں، آفتوں اور پریشانیوں سے محفوظ تھی، اب تو یوں لگتا ہے کہ شاید مصائب وآلام کا دہانہ کھل گیا ہے۔

بالخصوص رواں سال تو علمی حلقوں کے لیے عام الحزن ثابت ہوا؛ جس میں مختلف جہتوں سے دینی علمی، ملی اور سیاسی خدمات انجام دینے والی کئی ایک سربرآوردہ شخصیات راہیٔ ملک بقاء ہوئیں۔

اور اب یہ خبر نہ صرف جنوبی ہند بل کہ پورے ملک اور دنیا بھر کے لیے بجلی بن کر گری کہ علم وہنر کے آسمان کا ایک بہت ہی روشن اور منور ستارہ، اعتدال ومیانہ روی کا حسین سنگم، انتظام وانصرام کا بہترین نمونہ اور فضل وکمال کا آفتاب وماہتاب ہمارے درمیان سے ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

امیر شریعت، حکیم الملت، پیر طریقت، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی اشرف علی باقوی رحمہ اللہ وہ نابغۂ روزگار شخصیت تھی؛ جن کی پوری زندگی جہد مسلسل، عمل پیہم، دعوتِ قرآن کی اشاعت اور اسلامی تعلیمات کی ترویج کے لئے وقف تھی۔

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

میں اس وقت حیراں وسرگرداں ہوں کہ امیر شریعت جیسی باکمال، منفرد اور گوناگوں صفات کی حامل شخصیت کے جملہ پہلوؤں کا کیسے احاطہ کروں؟ آج قلم متحیر ہے کہ اس عظیم شخصیت کے کس رخ کو اجاگر کیا جائے اور کس کو نظر انداز کر دیا جائے؟

جامعہ سبیل الرشاد بنگلور کے حوالے سے آپ کی خدمات کا ذکر کیا جائے یا جنوبی ہند سمیت ملک بھر میں آپ کی دینی واصلاحی فکروں کو منظر عام پر لایا جائے، یا مختلف دینی وملی تحریکوں کی سرپرستی وسربراہی کا تذکرہ چھیڑا جائے یا اصلاح وارشاد کے تعلق سے آپ کی سرگرمیوں کو بیان کیا جائے۔ ؎

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لیے

مختصر سوانحی خاکہ:

آپ کی ولادت 26 فروری 1940 کو ریاست تمل ناڈو میں واقع نارتھ ارکوٹ کے گاؤں ویلنجی پور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر اور علاقہ میں ہی حاصل کی، تکمیل حفظ قرآن مدرسہ مدینۃ العلم میل وشارم میں کیا۔ پھر جامعہ باقیات صالحات ویلور میں علوم عالیہ وآلیہ کی تحصیل کی اخیر میں برصغیر کی شہرہ آفاق دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دوسال وہاں رہ کر سندِ فضیلت وافتاء حاصل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو متعدد خداداد صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا تھا، ان میں تعلیمی قابلیت آپ کا سب سے نمایاں وصف تھا۔ حضرت والا کا انتقال قدرے طویل علالت کے بعد مورخہ 16 ذی الحجہ 8 ستمبر لیلۃ الجمعہ شب ڈھائی بجے ہوا۔

انوکھا طرز تدریس:

ویسے آپ محبوب العلماء تو تھے ہی، طلباء دین بھی آپ پر ہمیشہ نثار رہتے تھے، طلبہ کی اصلاح وتربیت کے حوالے سے آپ کسی قدر سخت گیر تھے، سبق میں ذرا سی کوتاہی، مطالعہ وتکرار میں عدم دلچسپی پر ہر طالب علم کا ایسا مواخذہ ہوتا کہ آئندہ کسی طالب علم کو ایسی کوتاہی کی جرأت نہ ہوتی۔ بایں ہمہ آپ کی شفقت آپ کی سختیوں پر غالب آجاتی اور آپ طالب علموں کے دلوں کو موہ لیتے۔

مزاج میں میانہ روی اور اعتدال تھا اس لیے اسباق میں بھی اس کی شان نمایاں طور پر محسوس ہوتی، آپ کا درس انزلوا الناس منازلھم کا آئینہ دار ہوتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی شان میں ذرہ برابر تنقیص کی بو تک گوارا نہ فرماتے فوراً رگ حمیت پھڑک جاتی اور مشاجراتِ صحابہ کے حوالے سے جامع تقریر فرماتے۔

طبیعت میں کچھ ظرافت بھی تھی اس لیے اپنے تلامذہ اور بے تکلف دوستوں سے لطیف پیرائے میں مزاح بھی فرمالیا کرتے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بخاری شریف کا درس چل رہا تھا ایک ساتھی عبارت پڑھ رہے تھے

کچھ اعرابی غلطیاں بھی ہو رہی تھیں؛ مگر حضرت بہت تحمل سے سماعت فرما رہے تھے۔ حضرت عمر کا نام آیا اور عبارت خواں نے عمر کی راء کو مجرور پڑھ دیا تو حضرتؒ نے زیر لب مسکراتے ہوئے فرمایا: حضرت عمر سے تو ڈرا کیجیے!

اسی طرح ایک مرتبہ طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: استاد اپنے شاگرد کا والد (باپ) ہوتا ہے، اس پر مرحوم عبدالغفور نے عرض کیا: کیا اولاد اپنے باپ سے پیسے (روپئے) مانگ سکتی ہے؟ اس پر آپ نے مسکت جواب دیا اور فرمایا: جو باپ دیتا ہے اس سے مانگ لیجئے!

اوصاف وخصائل:

آپ شرافت، اخلاق، بردباری اور تواضع کا ایک مجسم آئینہ تھے، آپ کی شخصیت میں انتہاء کی ہر دلعزیزی تھی، عوام "علماء" بچے جوان سب آپ کی کرشماتی شخصیت کے اسیر تھے۔ حلم ووقار کے پیکر اور عجز وانکسار کا مجموعہ تھے، آپ نے ہمیشہ دیانت وامانت اور شرافت وصداقت کے لباس کو زیب تن کئے رکھا اور دین ومذہب کی خدمت کو اپنے لئے سعادت ونجات کا ذریعہ سمجھا۔

حضرت مفتی صاحب کا شمار ملک کے ان ممتاز ترین مفتیان کرام میں ہوتا تھا؛ جو اختلاف کے وقت مرجع خلائق کی حیثیت رکھتے ہیں، بڑے بڑے مفتیان کرام اپنے مسائل اور فتاویٰ کی تصدیق وتصویب اور تائید کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

سلوک واحسان اور اصلاح وارشاد میں بھی آپ بلند مقام پر فائز اور اپنے والد ماجد کے جانشین تھے، ہزاروں متوسلین نے آپ سے فیض پایا خدا کرے کہ یہ سلسلہ یوں ہی جاری وساری رہے۔

حضرت امیر شریعت کی ذاتِ ستودہ صفات دین پسند حلقوں کے لیے آج بھی باعث فیض وبرکت ہے، ان کی دینی وروحانی خدمات کے نور سے ایک دنیا منور ہے۔ انھوں نے زبان وقلم کے ذریعے رسولِ کائنات کے نقوشِ حیات کو اجاگر کرنے کا ایسا کارنامہ انجام دیا کہ ایمان ویقین سے تعلق رکھنے والا انسانوں کا ایک بڑا طبقہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ وہ اپنے اندر علم ومعرفت کا ایک جہاں سمیٹے ہوئے تھے، وہ بہ یک وقت قرآنی علوم کے عالم بھی تھے اور احادیث وسیرت کے رمز شناس بھی، اِحسان وسلوک کے سمندر کے غوطہ زن بھی تھے اور علم فقہ کے ادا شناس بھی اور اپنے عہد کے بے مثل واعظ ومتکلم بھی۔

عہدے ومناصب:

آپ کی ہمہ جہت وہشت پہل شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ متعدد دینی، علمی،

اصلاحی اور سیاسی، ملی، رفاہی اداروں کے ذمہ دار و سرپرست تھے۔

حصول تعلیم کے بعد دار العلوم سبیل الرشاد بنگلور میں آپ بطور استاذ بحال کر لئے گئے اور وہاں آپ نے مختلف کتابوں کے ساتھ تقریباً ساٹھ سال تک بخاری شریف کا درس دیا، والد محترم مولانا ابوسعود احمد کے انتقال کے بعد آپ ریاست کرناٹک کے امیر شریعت منتخب کئے گئے، علاوہ ازیں آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن تاسیسی، آل انڈیا ملی کونسل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے نائب صدر، دار العلوم وقف دیوبند اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن شوری اور رابطہ ادب اسلامی کے صدر تھے۔

ختم بخاری کے موقع پر کچھ زریں نصیحتیں:

اخیر میں حضرت مفتی صاحبؒ کے خطاب سے چند قیمتی اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں؛ جنہیں مولانا محمد تبریز عالم قاسمی زید مجدہم استاذ دار العلوم حیدرآباد نے محفوظ فرمایا۔

۱: اساتذہ کی دعائیں لیجیے یہی اصل سرمایہ ہیں۔

۲: خدمتِ دین کے مختلف شعبے ہیں جس شعبہ میں خدمت کا موقع ملے انشراح واطمینان سے کیجیے کسی شعبے کو معمولی مت سمجھیے۔

۳: ساری کتابیں سارے اساتذہ عزت واحترام کے حوالہ سے برابر ہیں۔

۴: امامت کی خدمت بہت اہم اور قابل فخر ہے ساری چیزوں میں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ہوچکی ہیں لیکن امامت آج بھی علی منہاج النبوۃ باقی ہے۔

۵: عصری علوم وفنون کبھی بے کار ہوسکتے ہیں لیکن دینی علوم کبھی بے کار نہیں ہوں گے۔

۶: ولایتِ کاملہ کے بغیر اجتہاد تک پہنچنا ناممکن ہے۔

۷: علماء دین کی سرحد کے سپاہی ہیں انھیں معاش کی فکر نہیں کرنی چاہیے دیکھیے ملک کی سرحد کا سپاہی اپنی کوئی دوکان نہیں کھولتا بلکہ دن رات سرحد کی حفاظت میں مشغول رہتا ہے اور پوری قوم اس کے معاش کی فکر کرتی ہے علماء تو اللہ کے دیں کے محافظ ہیں اللہ انھیں کبھی معاشی تنگی میں کیوں کر مبتلاء کریں گے۔

(بہ موقع: تقریب ختم بخاری دار العلوم حیدرآباد 7 مئی 2017)

وفیات

ایک باکمال خادمِ قرآن اور بے مثال شخصیت

مفتی عبدالباسط ارشدالقاسمی*

میں بتاریخ ۱۳؍ذی الحجہ ۲۰۱۷ء بروز منگل نماز عصر سے فارغ ہوکر تمام گھر والوں سے اجازت چاہتے ہوئے سلام ومصافحہ کی سعادت پاکر حیدرآباد روانہ ہوا، اپنی رہائش گاہ سے صرف ۵؍کلومیٹر دور تھا کہ پونے آٹھ بجے شب گھر سے اچانک ایک ہمشیرہ کا فون آیا کہ ابا جی کی صحت اچانک خراب ہوگئی ہے فوری واپس ہوجاؤ، لیکن کچھ ہی دیر بعد یکے بعد دیگرے گھر سے فون آتے گئے کہ ملت اسلامیہ کے مایۂ ناز فرزند والد ماجد حافظ وقاری حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ کا انتقال ہوگیا، آپ کے وصال کی خبر بجلی بن کر گری اور میرے وجود میں اُترتی چلی گئی، ایک سکتہ کی کیفیت طاری ہوگئی، اردگرد تاریکی چھاگئی، اس خبر نے آناً فاناً پورے علاقۂ سریاپیٹھ میں بلکہ آس پاس کے علمی دینی حلقوں میں بے چینی کی لہر دوڑادی، ہر ایک پر سکتہ طاری ہوگیا، ب ساری توانائیوں کے باوجود زبانیں گنگ ہوگئیں آہ!۔۔۔۔۔۔۔ ہزاروں لوگوں کی آنکھوں کو اشکوں کی سوغات دے کر مالکِ حقیقی کی آغوشِ رحمت میں آرام فرمانے کے لئے اس دنیائے فانی سے کوچ کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کل نفس ذائقۃ الموت ایک فیصلہ کن حقیقت ہے، چنانچہ اس دنیائے فانی میں لوگ آتے ہیں چلے جاتے ہیں، لیکن کچھ جانے والے اپنے کارناموں کا اثر معاشرے پر اتنا گہرا چھوڑ جاتے ہیں جو دلوں کے دریچوں میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہتے ہیں اور لوگوں کے لئے مشعلِ راہ ہدایت ہوا کرتے ہیں، چنانچہ اُنہیں مردانِ باصفا میں میرے والد ماجدؒ بھی شامل ہیں۔

آپ تجارت پیشہ وزمیندار مرحوم محمد برہان الدین صاحب کے دینی گھرانے کے مایۂ ناز اکلوتے چشم و چراغ تھے ماہ نومبر ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد نے بچپن میں ابتدائی عصری تعلیم سے آراستہ کیا پھر سرپرستوں نے حفظ قرآن مجید کے لئے فیض العلوم حیدرآباد میں داخل کیا، آپ محی السنۃ حضرت شاہ ابرارالحق صاحبؒ کے منظور نظر تھے، زمانۂ طالب علمی میں دورانِ سفر حضرت محی السنۃؒ کو قرآن مجید

*صدرالمدرسین، وشیخ الحدیث مدرسہ ریاض العلوم حیدرآباد

سنانے کا شرف حاصل رہا۔ بالآخر مدرسہ عربیہ باب العلوم ورنگل سے تکمیل حفظ قرآن مجید کی سعادت ملی اور حضرت مولانا شاہ عبدالغفورؒ کے مدرسہ قاسم العلوم اور دیگر مدارس سے عالمیت کی تکمیل کی، اللہ رب العزت نے آپ کو اپنے خاندان کا پہلا حافظ قرآن عالم دین اور خادم قرآن بننے کا اعزاز بخشا، وہ اس کی قدردانی کرتے ہوئے پورے خاندان میں دینی ماحول پیدا کرنے کی تاحین حیات کوشش اور فکریں کرتے رہے، ان کی محنتوں سے حفاظ وعلماء، مفتیان کرام وخدام دین تیار ہونے کا سلسلہ جاری ہوا، آپ کے شاگردوں کی بھی بہت بڑی تعداد موجود ہے، الحمدللہ والد ماجدؒ کے زیر سایہ زیر تربیت ہم تمام بھائی بہنوں کو حافظ قرآن اور عالم دین بننے اور پھر دینی نہج پر کام کرنے کی توفیق ارزانی ہوئی۔ اللہ کے کرم سے سب اپنے اپنے مقام پر حسب حیثیت وصلاحیت دینی خدمات میں مشغول ومنہمک ہیں۔

اللہ رب العزت نے آپ کو ظاہری ومعنوی علمی وروحانی اور عرفانی استعداد سے خوب مزین کیا، جس کی وجہ سے آپ کو اپنے علاقے کے لوگوں کی اصلاح کا خوب موقع میسر آیا، دوسروں تک حق وصداقت کی روشنی تا حیات پہنچاتے رہے، معاشرہ کو بداخلاقیوں اور گناہوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہردم کوشاں رہے، اور اصلاح کے لئے مثبت پہلو اختیار کئے، امن وآشتی کو پروان چڑھانے اور صحیح راہ پر آگے بڑھنے کے لئے تگ ودو کرتے رہے، رسوم ورواج اور خلاف سنت کاموں اور چیزوں سے بیزارگی ظاہر کرتے اور لوگوں کو حکمت وتدبیر سے روکتے تھے، معترضین کے اعتراضات پر چراغ پا ہونے اور اُن کے خلاف محاذ آرائی کے بجائے سکوت اور حکمت وبصیرت سے کام لیتے، عام طور پر مختصر مدلل ومعتدل گفتگو کرتے، سفر وحضر میں ظریفانہ سخن رکھتے، جس سے سننے والوں کے ذہن میں تازگی پیدا ہوجاتی، خاموش مزاجی نمایاں تھی، سلامتیٔ قلب، علم دوست اور علماء نواز تھے، سادگی پسند تھے، سب سے مسکراتے ہوئے گرم جوشی وخندہ پیشانی سے ملتے، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک وادائیگیٔ حقوق میں مقدم رہتے، جود وسخا کے پیکر تھے، اپنے پرائے کا لحاظ کئے بغیر خلوص سے ملاقات کرتے، بڑے مہمان نواز تھے، اسراف وفضول خرچی سے آپ کی زندگی پاک تھی، خودداری واستغناء نمایاں تھی نرم مزاج وتواضع کے پیکر تھے، عفودرگذر کا خانہ آپ کے یہاں بہت وسیع تھا، کبر ونخوت، خودرائی وخودبینی سے اپنے آپ کو بچاتے تھے، گمنام اور خاموش کام کے دَھنی تھے، انتہائی جفاکش تھے، عہدوں اور منصبوں سے دور رہنے میں عافیت محسوس کرتے تھے، البتہ دینی تنظیموں اور دعوتی اداروں کے بے غرض وبے لوث خدمت گذار تھے، آپ تنہائی پسند تھے لیکن حسنِ اخلاق کی وجہ سے لوگوں کا رجوع رہتا تھا۔

آپ ضلع سریا پیٹھ کے ممتاز ترین قائد ورہنما اور مقبول ترین پیشوا تھے، آپ جامع مسجد میر عالم (یعنی

شاہی بڑی مسجد) سوریا پیٹھ کے لگ بھگ پچاس سال سے زائد مایۂ ناز مثالی امام وخطیب رہے اور بہت سلیس تذکیری انداز میں عوامی فہم کے مطابق انقلاب آفریں خطاب کیا کرتے تھے، رمضان المبارک میں تاحیات اکثر نماز تراویح میں ذمہ داروں کی خواہش پر تین قرآن مجید سنایا کرتے تھے، رمضان المبارک میں علاقہ کے مساجد میں تکمیل قرآن کے پرمسرت موقع پر پُرمغز خطاب کیا کرتے تھے اور حفاظِ کرام کی بہترین انداز میں حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے، سردی، گرمی، خشکی، برسات ہر موسم میں تقریباً ۴؍کیلومیٹر دور فاصلہ طئے کرتے ہوئے پوری مستعدی کے ساتھ بروقت امامت وخطابت کی عظیم خدمت انجام دیا کرتے تھے، آپ دارالقضاء (اسلامی عدالت) سریا پیٹھ کے سرپرست اعلیٰ، جامعۃ الرحمٰن للبنات سریا پیٹھ اور دارلعلوم سریا پیٹھ کے بانی ومہتمم تھے کم اسباب ووسائل کے باوجود دونوں مدرسوں کی تعلیم وتربیت کا نظام مستحکم اور منظم کرنے کی ہر وقت سعی و کوشش فرماتے رہتے تھے، علم وبصیرت کے ساتھ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور قدر شناسی، نیز مردم گری و افرادسازی کا اچھا ملکہ تھا اور چھوٹوں کی استعداد وصلاحیت میں انقلابی روح پھونکنے والے اور شوق وذوق کی چنگاریوں کو فروزاں کرنے والے باکمال استاذ ومربی تھے۔ آپ ملازمین وخدام دین پر نہایت شفیق تھے، نہ خود تحقیر آمیز انداز اختیار کرتے تھے نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتے تھے بلکہ عزتِ نفس کا بھرپور خیال رکھتے تھے، آپ یہ اور ان جیسی بہت سی خوبیوں کے جامع تھے، بلاشبہ آپ سے والہانہ عقیدت ومحبت رکھنے والے ہزاروں افراد نے عیدگاہ سریا پیٹھ میں اپنے عظیم محسن کی نماز جنازہ ادا کر کے علاقہ کے بڑے قبرستان میں بادیدۂ نم سپرد خاک کیا مگر آپ کا روشن کردار ملت کے لئے زادِ سفر، آپ کے زیر سایہ تربیت پانے والے ہزاروں شاگرد علماء ومفتیان اور خادمانِ دین آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

اللہ رب العزت آپ کے ہمہ جہتی دینی ودعوتی خدمات کا بھرپور اجر اپنی شان کے مطابق عطا فرمائے اور آپ کے قائم کردہ اداروں کو مستحکم فرمائے اور امت کو آپ کا بے لوث و بے غرض اور مخلص نعم البدل عطا فرمائے (آمین)

فقہ وفتاویٰ

منکرات محرم

ادارہ

(۱) ماتم کی مجلس اور تعزیہ کے جلوس میں شرکت

عشرۂ محرم میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجلسوں میں، اسی طرح دسویں تاریخ کو تعزیہ کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لیے جمع ہوجاتی ہے، اوراس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے؛ حالانکہ اس کے اندر کئی گناہ ہیں:

(۱) ایک گناہ تو اس میں یہ ہے کہ ان مجالس اور جلوس میں شرکت کرنے سے دشمنانِ صحابہؓ کی رونق بڑھتی ہے؛ جبکہ دشمنوں کی رونق بڑھانا حرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنهم" (کنزالعمال ۹/ ۳۶) یعنی جس نے کسی قوم کی رونق بڑھائی وہ انھیں میں سے ہے۔

(۲) دوسرا گناہ اس میں یہ ہے کہ جس طرح عبادت کا کرنا اور دیکھنا اور اس سے خوش ہونا باعثِ اجر وثواب ہے، اسی طرح گناہوں کے کاموں کو بخوشی دیکھنا بھی گناہ ہے، ظاہر ہے کہ ماتم کی مجلس میں جانا اور تعزیہ نکالنا یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

(۳) تیسرا گناہ یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے، وہاں اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اور ایسی غضب والی جگہ پر جانا بھی گناہ سے خالی نہیں، غرض کہ ان مجلسوں اور جلوسوں سے بھی احتراز کرنا لازم ہے۔

(مستفاد احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۹۳، خیر الفتاویٰ ۱/ ۳۳۶)

(۲) دسویں محرم کو کھچڑا پکانا

بعض لوگ محرم کی دسویں تاریخ کو کھچڑا پکاتے ہیں، یہ بالکل ناجائز اور سخت گناہ ہے، البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خوشی میں خوارج دسویں محرم کو مختلف اناج ملا کر پکاتے تھے۔ "فَكَانُوْا الٰى يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ يَطْبَخُوْنَ الحبُوبَ" (البدایہ والنہایہ ۸/ ۲۰۲، ۵۹۹ بیروتی)

معلوم ہوا کہ اس دن کھچڑا پکانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے دشمنی رکھنے والوں کی ایجاد کردہ رسم ہے، اہل بیت سے الفت ومحبت رکھنے والوں کو اس رسم بد سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ ۱۳۸، خیر الفتاویٰ ۱/ ۵۵۸، بحوالہ جامع الفتاویٰ ۲۰/ ۵۸۸)

(۳) ایصال ثواب کے لیے کھانا پکانا

محرم کے مہینے میں خصوصاً نویں، دسویں، گیارہویں تاریخ میں بعض لوگ کھانا پکا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں، یہ طریقہ بھی بالکل غلط اور کئی قباحتوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) جن ارواح کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے اگر ان کو نفع ونقصان کا مالک سمجھا گیا اور ان اکابرِ سلف کے نام سے وہ کھانا پکایا گیا تو یہ شرک ہے اور ایسا کھانا "مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

(۲) عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو چیز صدقہ دی جاتی ہے، میت کو بعینہٖ وہی ملتی ہے؛ حالانکہ یہ خیال بالکل باطل ہے، میت کو وہ چیز نہیں پہنچتی؛ بلکہ اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

(۳) ایصالِ ثواب میں اپنی طرف سے قیود لگالی ہیں یعنی صدقہ کی متعین صورت یعنی کھانا، مہینہ متعین، دن متعین؛ حالانکہ شریعت نے ان چیزوں کی تعیین نہیں فرمائی، جو چیز چاہیں جب چاہیں صدقہ کر سکتے ہیں، شریعت کی دی ہوئی آزادی پر اپنی طرف سے پابندیاں لگانا گناہ اور بدعت؛ بلکہ شریعت میں مداخلت ہے۔

(۴) پانی یا شربت کی سبیل لگانا

بعض لوگ محرم کی دسویں تاریخ کو پانی کی یا شربت کی سبیل لگاتے ہیں اور راستوں وچوراہوں پر بیٹھ کر گزرنے والے کو وہ پانی یا شربت پلاتے ہیں تو اگرچہ پانی پلانا باعثِ ثواب اور نیکی کا کام ہے؛ لیکن یہ عمل بھی مندرجہ بالا پابندیوں کی وجہ سے بدعت اور قابلِ ترک ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ۱۳۹، خیر الفتاویٰ ۱/ ۵۶۹، بحوالہ جامع الفتاویٰ ۲/ ۵۸۸)

(۸) محرم میں نکاح نہ کرنا

اس سلسلے میں اصل گفتگو یہ ہے کہ یہ مہینہ معظم ومحترم ہے یا منحوس ہے؟ شیعہ حضرات اس ماہ کو منحوس سمجھتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک شہادت بہت بری اور منحوس چیز ہے اور چونکہ حضرت حسینؓ کی شہادت اس میں ہوئی ہے اس لیے وہ لوگ اس میں کوئی تقریب اور خوشی کا کام شادی ونکاح وغیرہ نہیں کرتے۔

اس کے برخلاف سنیوں کے نزدیک یہ مہینہ معظم ومحترم اور فضیلت والا ہے، محرم کے معنی ہی پُرعظمت اور مقدس کے ہیں، جیسا کہ بالتفصیل مضمون کی ابتداء میں بیان کیا گیا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ مہینہ اور دن افضل ہے تو اس میں نیک اعمال بہت زیادہ کرنے چاہئیں، نکاح وغیرہ خوشی کی تقریبات بھی اس میں زیادہ کرنی چاہئیں، اس میں شادی کرنے سے برکت ہوگی۔ انشاء اللہ اس مہینے میں شادی کو منحوس سمجھنا شیعی ذہنیت ہے، جس سے پرہیز لازم ہے۔

خبرنامہ

عالم اسلام کی خبریں

✷ سعودیہ میں گرفتاریوں کا سلسلہ ججس تک جا پہنچا کرمنل کورٹ کے 7 ججوں کو حراست میں لیا جا چکا، شیخ زاید مسجد کے امام اور نامور قاری ادریس اکبر سمیت 30 سے زائد علمائے کرام صحافی اور اساتذہ پہلے ہی گرفتار ہیں۔شیخ سلمان عودنے بھوک ہڑتال شروع کردی۔سوشل میڈیا صارفین کی حکومتی اقدامات پر شدید تنقید۔

(20ستمبر 2017روزنامہ منصف)

✷ مسلم ممالک میانمار پر دباوڈالیں: اوآئی ایس

ظالم حکومت کو روہنگیا مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا پابند بنایا جائے۔(6ستمبر 2017روزنامہ اعتماد)

✷ میانمار فوج کی وحشیانہ کاروائی، روہنگیا بستیاں نیست ونابود

سرکاری فوج کی اندھادھند فائرنگ، گھروں کو آگ لگادی گئی، بنگلہ دیش پہنچنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں کا انٹرویو۔(8ستمبر 2017روزنامہ منصف)

✷ غزہ میں رونگٹھے کھڑے کردینے والے حالات؛فلسطینی علاقوں کے دورہ کے بعد ریڈ کراس کے صدر نشین کے تاثرات۔(10ستمبر 2017روزنامہ اعتماد)

✷ ہمیں چاہئے کہ ہم ایک ہوں اور بھائی چارگی کے ماحول کو تقویت دیں۔صدر ترکی۔

(یکم ستمبر 2017روزنامہ منصف)

✷ عالمی برادری فلسطین سے اسرائیلی قبضہ ختم کرائے،آزاد ریاست کا قیام عمل میں لائے۔اقوم متحدہ کے اجلاس سے صدر محمود عباس کا خطاب۔(22 ستمبر 2017روزنامہ منصف)

✷ میانمار فوج نے دوران زچگی مسلم خاتون پر گولیاں برسائیں

جان بچا کر بنگلہ دیش پہنچے والی خاتون کی المناک سرگزشت۔(24ستمبر 2017روزنامہ منصف)

✷ ملائشیا کے مدرسہ میں آتشزدگی،25 جاں بحق

23 طلبہ اور 2 وارڈن شامل۔شاٹ سرکٹ حادثہ کی وجہ۔(15ستمبر 2017روزنامہ اعتماد)